دو باتیں

السلام علیکم!

اب میری ریٹائرمنٹ کے دن بہت نزدیک نظر آتے ہیں۔ آفتاب کے ناول تو آپ ان دنوں باقاعدگی سے پڑھ ہی رہے ہیں۔ کل ہی نوید نے ایک اخبار مجھے دیا اور اطلاع دی کہ اس میں اس کی ایک کہانی کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے۔

لیجیے۔ ہمارے گھرانے سے آپ کو ایک اور مصنف ملنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ ان حالات میں میں اپنا بوریا بستر نہ سمیٹوں گا تو اور کیا کروں گا۔ یوں بھی۔ میرے کچھ مہربان مجھے مشورہ دیتے رہتے ہیں۔ اب بس کرو۔

تمہاری کہانیوں میں کوئی جان نہیں رہ گئی، اب دوسروں کو لکھنے کا موقع دو۔

ادھر "باطل قیامت" کی ڈھیروں ڈاک کچھ اور کہتی نظر آتی ہے۔ میں کروں بھی تو کیا کروں۔ چکی کے دو پاٹوں میں پھنسا محسوس کر رہا ہوں خود کو۔ لیکن صاف نظر آ رہا ہے۔ ننھی پود کے مقابلے میں میری دال نہیں گل سکے گی۔ شکریہ!

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ :

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے ان کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

خلوص :

اشتیاق احمد

یہ جا چکا ہے

"انسپکٹر صاحب! میں نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے، لیکن میں قاتل نہیں ہوں۔ اور اسی لیے میں کسی عام پولیس اسٹیشن جانے کی بجائے آپ کے پاس آگیا ہوں۔ کیونکہ میری بات کی تصدیق کرنے کے لیے آپ ضرور کوشش کریں گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ آپ نے قتل کیا ہے اور قاتل نہیں ہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے نہیں۔ ہو چکا ہے۔ ہم۔ میں۔ میں بالکل بے گناہ ہوں۔ اس کے باوجود میں قاتل ہوں، اگر آپ میری مدد کریں۔ تو قانون مجھے سزا نہیں دے سکتا۔"

"کم از کم آپ گرفتاری سے تو نہیں بچ سکیں گے۔"

"ضرور کیوں نہیں، گرفتار آپ شوق سے کریں، لیکن مجھے سزا نہیں ملنی چاہیے۔"

اچانک اسے ایک ہچکی آئی اور اس کا سر جھکتا چلا گیا:

"ارے ارے - کیا ہوا آپ کو - اکرام جلدی کرو - ایک گلاس پانی:" یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے - اکرام تیزی سے بغلی کمرے کی طرف لپکا - جب وہ گلاس لے کر آیا تو انسپکٹر جمشید بُت بنے کھڑے تھے - اکرام کو دیکھ کر بولے:

"اب اسے پانی کی ضرورت نہیں رہی - یہ جا چکا ہے:"

"جا چکا ہے - کمال ہے - چند لمحے پہلے تو یہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا - ہر طرح صحت مند - اور ہوش و حواس کے عالم میں باتیں کر رہا تھا:"

"ہاں! اس پر حیرت مجھے بھی ہے، لیکن اس کی موت کا وقت یہی لکھا ہوا تھا، ہم کیا کر سکتے ہیں اکرام:"

اکرام نے دیکھا - اس کے دونوں ہاتھ میز سے نیچے جھول رہے تھے - سر میز کے سرے پر ٹکا ہوا تھا -

"ایمبولینس کے لیے فون کرو بھئی:" انسپکٹر جمشید اداس انداز میں بولے -

اکرام فون کرنے لگا - انسپکٹر جمشید اس کی تلاشی لینے لگے - اس کی جیبوں سے برآمد ہونے والی چیزیں انھوں نے میز پر ڈھیر کر دیں - پھر ایمبولینس آئی اور لاش اُٹھا کر لے گئی -

انسپکٹر جمشید ان چیزوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے، ان چیزوں میں اس شخص کا شناختی کارڈ بھی تھا - اس پر انھوں نے پڑھا، اس کا نام قدیر خان گوگی لکھا ہوا تھا - پتے والے حصے میں ۱۰۹، راجا نگر درج تھا - انھوں نے کارڈ اپنی جیب میں رکھ لیا - میز پر رکھی چیزوں میں ایک بٹوہ بھی تھا، انھوں نے بٹوے کو کھول کر دیکھا، اس میں کچھ کرنسی نوٹ تھے، اس کی اپنی ایک تصویر تھی - دو اور نوجوانوں کی تصاویر بھی تھیں - تینوں تصویریں الگ الگ تھیں - بٹوے میں سونے کی ایک انگوٹھی بھی تھی - انگوٹھی میں ایک بڑا سا نگینہ جڑا ہوا تھا - اس کے علاوہ سگریٹ کا ایک پیکٹ اور سگریٹ لائٹر موجود تھا - ان چیزوں کے علاوہ کوئی اور خاص چیز نہیں تھی -

"اکرام - تمھیں معلوم ہے - اس نے مجھ سے کیا بات کی تھی:"

"جی نہیں - مَیں فائل نمبر ۲۵ میں گم تھا - بہت اُلجھا ہوا معاملہ ہے، وہ بھی:"

"ہُوں! تو سُنو - اُس نے کہا تھا کہ اُس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے، لیکن وہ قاتل نہیں ہے:"

"جی کیا فرمایا — قتل کر دیا ہے — اور قاتل نہیں ہے" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"اس نے یہی الفاظ کہے تھے — پھر میرے پوچھنے پر کہا تھا کہ — وہ بے گناہ ہے — اس کے باوجود قاتل ہے اور اگر میں اس کی مدد کروں تو قانون اسے سزا نہیں دے سکتا — اور اس کے بعد اسے ایک ہچکی آئی تھی — بس اس ہچکی کے ساتھ وہ ختم ہو گیا۔"

"حیرت ہے — ارے ہاں — ہم راجا نگر کے پولیس اسٹیشن کو فون کر کے کیوں نہ معلوم کریں کہ ان کے علاقے میں قتل کی واردات ہوئی ہے — اس کی تفصیل کیا ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہے — تم ہی کرو فون۔" انھوں نے کہا۔

اکرام نے نمبر ملائے اور بولا:

"ہیلو — رانا صاحب کیا حال ہے — سنا ہے — آپ کے علاقے میں قتل کی ایک عدد واردات ہو گئی ہے۔"

"قتل کی واردات — ارے باپ رے۔" دوسری طرف سے گھبرائی ہوئی آواز آئی —

"تو ابھی آپ کو اطلاع نہیں ملی۔"

"نہیں — ہمیں تو کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"اچھا شکریہ۔" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"شاید یہ شخص ابھی ابھی قتل کی واردات کر کے آیا ہے، گھر کے افراد کو یا تو ابھی خبر نہیں ہوئی — یا پھر ابھی ان کے ہوش و حواس ٹھکانے نہیں آئے — وہ ابھی فون نہیں کر سکے۔"

"ہوں! خیر — اب ہم خود معلوم کریں گے چل کر۔" انھوں نے کہا اور اکرام کو ساتھ لے کر باہر نکل آئے۔

جلد ہی ان کی جیپ ۱۰۹ نمبر کوٹھی کے سامنے رکی — دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا — یہاں کسی واردات کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے —

"اس کا مطلب ہے — گھر کے افراد کو ابھی تک واردات کا علم نہیں ہو سکا۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔" اکرام بولا اور آگے بڑھ کر دستک دی —

جلد ہی دروازہ کھلا اور ایک نوجوان نظر آیا — انھوں نے فوراً جان لیا — یہ تصویر والے دو نوجوانوں میں سے ایک تھا:

"قدیر احمد گوگی۔" انسپکٹر جمشید اتنا کہہ کر رک گئے —

"جی ہاں! یہ انھی کا گھر ہے، لیکن اس وقت وہ گھر میں نہیں ہیں — باہر ہی کہیں گئے ہیں۔"

"کتنی دیر پہلے گئے ہیں؟ کب تک آنے کا کہہ کر گئے ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کچھ بتا کر نہیں گئے۔"

"آپ کا نام؟" انھوں نے پوچھا۔

"رشید خان گوگی۔" اس نے کہا۔

"آپ کے ایک اور بھائی بھی تو ہیں؟" انسپکٹر جمشید ڈرتے ڈرتے بولے۔

"ہاں! ان کا نام شبیر خان گوگی ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ان کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟"

"جی ہاں! وہ تو گھر میں ہی ہیں۔" اس نے کہا۔

"آپ نے کیا فرمایا۔ وہ گھر میں ہی ہیں۔"

"جی ہاں! بالکل۔ لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں واقعی، اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"آپ کُل کتنے بھائی ہیں؟"

"صرف تین۔" اس نے کہا۔

"او، تب تو معاملہ بہت دل چسپ ہو گیا۔ لیکن نہیں، معاملہ حد درجے غمگین بھی ہے۔ ہمیں اندر بیٹھ کر بات کرنا ہو گی۔"

"آپ کون صاحبان ہیں۔ اپنا تعارف نہیں کرایا۔"

"ہاں! واقعی۔" یہ کہہ کر انھوں نے اپنے نام بتا دیے۔

اب اس کی آنکھوں میں اُلجھن تیر گئی۔ گھبرا کر بولا:

"خیریت تو ہے نا۔"

"افسوس۔ خیریت نہیں ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"میں نے کہا نا۔ ہمیں بیٹھ کر بات کرنا ہو گی۔"

"آئیے۔" اس نے انھیں راستا دیا۔ اور ڈرائنگ روم میں لے آیا، پھر بے تابانہ انداز میں بولا:

"ہاں! اب بتائیے۔ کیا بات ہے؟"

"اس بٹوے کو پہچانتے ہیں آپ؟" انھوں نے جیب سے بٹوہ نکالا۔

"اللہ رحم فرمائے۔ یہ تو بھائی جان کا ہے۔ آپ کو کہاں ملا۔ وہ۔ وہ خیریت سے تو ہیں؟"

"پہلے آپ شبیر خان گوگی کو دیکھ لیں جا کر۔ وہ کس حال میں ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"پہلے دیکھ آئیں": انھوں نے کہا۔

"لیکن اس کی کیا ضرورت ہے۔ جب آپ نے دستک دی۔ ہم ایک ہی کمرے میں موجود تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اتنی سی دیر میں انھیں کیا ہو گیا ہوگا:"

"ہوں! خیر۔ آپ انھیں یہاں بُلا لیں۔ میں آپ کو ایک حد درجے عجیب بات بتانا چاہتا ہوں:"

"آپ نے تو میری اُلجھن میں بہت اضافہ کر دیا جناب:" اس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! مجھے اس کا احساس ہے، لیکن مَیں کر ہی کیا سکتا ہوں:" انھوں نے کندھے اُچکائے اور وُہ باہر نکل گیا۔ جلد ہی دُوسرے بھائی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ دونوں کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔

"ہاں جناب۔ اب فرمایئے۔ کیا بات ہے؟"

"تھوڑی دیر پہلے آپ کے بھائی قدیر خان گوگی میرے دفتر میں آئے تھے۔ انھوں نے آ کر ایک عجیب بات کہی، اور وُہ یہ کہ انھوں نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ اور۔"

"کیا کہا:" دونوں اُچھل پڑے، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! انھوں نے یہی کہا تھا۔ اور پھر بولے۔ لیکن مَیں

کل بے گناہ ہوں:"

"عجیب بات ہے۔ آخر انھوں نے یہ کیوں کہا، جب کہ ...ھوں نے کوئی قتل وتل نہیں کیا۔ ہم دونوں بھائی آپ ...کے سامنے زندہ سلامت موجود ہیں:"

"اس بات پر تو ہمیں حیرت ہے:"

"تو پھر۔ آپ نے ان سے پوچھا نہیں۔ انھوں نے یہ ...لط بات کیوں کہی:"

"افسوس! ہم اس قابل نہیں کہ ان سے کچھ پُوچھ سکیں:"

"وُہ کیوں؟"

"وُہ اس لیے کہ ان الفاظ کے بعد انھیں ایک زور دار ...ہچکی آئی اور۔ اور:"

"اور کیا؟" دونوں گھبرا کر بولے۔

"اور۔ اس کے بعد۔ ان کی رُوح پرواز کر گئی:"

"کیا۔ نہیں!" دونوں بلند آواز میں چیخے۔

اور پھر ان کے رونے کی آواز بلند ہونے لگی۔ اس کے ساتھ ہی دوڑتے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ یہ آوازیں ...ڈرائنگ روم کے باہر آ کر رُک گئیں:

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" باہر سے چند عورتیں ایک ساتھ بولیں۔

"بھائی جان۔ بھائی جان مر گئے۔ وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔"

"نہیں!"

اور پھر تو وہ گھر ماتم کدہ بن گیا۔ انسپکٹر جمشید اور اکرام کے احساسات اس وقت حد درجے عجیب تھے۔ وہ خود کو بہت بڑے مجرم خیال کر رہے تھے۔

تینوں سر جوڑے بیٹھے تھے۔ انسپکٹر جمشید ان کی طرف بغور دیکھ رہے تھے۔ آخر فرزانہ نے سر اُٹھایا:

"افسوس! میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی۔"

"پہنچو بھی کیسے۔ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"تو کیا تمہارے خیال میں میرے پاس عقل نہیں ہے؟"

"میں اپنا خیال کیوں ظاہر کروں۔ تم کوئی نتیجہ نکال کر دکھاؤ نا۔"

"تم بھی یہاں موجود ہو۔ اور عقل سے تم بھی پیدل تو نہیں۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سچ تو یہ ہے۔ میں تو اپنی عقل کو اس وقت گم شدہ خیال کر رہا ہوں۔"

"اس کا مطلب ہے۔ اب ہمیں قدیر خان گوگی کی موت کا راز معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ تمہاری عقل کو بھی تلاش کرنا پڑے گا۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"کیا ضرورت ہے۔ اچھا ہے۔ اس کی عقل نہ ملے۔ کان تو نہیں کھایا کرے گا ہمارے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اوہو۔ تم تو آج تک غلط فہمی میں مبتلا رہیں۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کس بارے میں؟" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"تم اس خیال میں رہیں کہ میں تمہارے کان اپنی عقل سے کھاتا ہوں، حالاں کہ یہ کام تو میں صرف زبان سے لیتا رہا ہوں۔"

"دھت تیرے کی۔ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"تو وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارا کیا جاتا ہے، لیکن مشکل تو یہ ہے کہ ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہے۔"

"تو۔ کیا تم بھی محمود۔ کوئی رائے قائم نہیں کر سکے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ جی ہاں:" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔
"سچ بات یہ ہے کہ کسی نتیجے پر تو اب تک میں بھی نہیں پہنچ سکا:" انسپکٹر جمشید بولے۔
"ارے!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
"یہ بات تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے ابا جان۔ کہ آپ بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے ہوں گے:"
"بات یہی ہے بھئی:"
"پھر۔ اب کیا ہو گا:" فرزانہ نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"غور کریں گے۔ حالات کا جائزہ لیں گے۔ اور ضرور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کہ قدیر خان کی بات کا مطلب کیا تھا:"
"ہاں! ابھی تو وہ لوگ بھی رونے دھونے میں مصروف ہیں۔ ایک تو ہمارے ہاں اسلام کی تعلیمات کا لوگوں کو پتا نہیں۔ اگر پتا ہے تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ واضح طور پر حکم ہے کہ کسی کی موت پر خاموشی سے آنسو بہائے جا سکتے ہیں۔ چیخ و پکار، واویلے اور بین وغیرہ کی شریعت نے قطعاً اجازت نہیں دی:"
"بہت کم لوگ ہیں۔ جو ایسے لمحات میں بھی دین کے

احکامات کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دراصل وہی مبارک باد کے حق دار ہیں:" انسپکٹر جمشید بولے۔
عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ انداز اکرام کا تھا، محمود تیر کی طرح گیا اور اسے ساتھ لے آیا:
"ابتدائی رپورٹ مل گئی ہے سر:" اس نے آتے ہی کہا۔
"اور تمہاری آواز میں جوش کی آمیزش ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ضرور کوئی خاص بات سامنے آئی ہے:" انسپکٹر جمشید بولے۔
"جی ہاں! ایک بہت ہی خاص بات۔ اور وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحبان ابھی تک یہ نہیں جان سکے کہ موت کیوں واقع ہوئی اور کس طرح ہوئی:"
"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔
"موت سے پہلے دل کی حالت بالکل ٹھیک تھی۔ لہٰذا یہ کیس ہارٹ فیل کا نہیں۔ نہ ہی قدیر خان گوگی کو کوئی اور تکلیف تھی۔ جو اس کی جان لینے کا سبب بنی ہو، اب سوال یہ ہے کہ ان کی موت کس طرح ہوئی؟" اکرام نے جلدی جلدی کہا۔
"پھر۔ ڈاکٹر صاحبان نے رپورٹ کیا لکھی؟"

"یہی کہ وہ موت کا سبب نہیں جان سکے۔"

"گویا یہ ایک اور عجیب بات ہو گئی۔ ارے ہاں۔ کیا انھوں نے زہر کے امکان کا بھی جائزہ لیا ہے۔" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"آپ کا مطلب ہے۔ کہیں مسٹر قدیر خان کو کسی نے زہر نہ دیا ہو۔ یا انھوں نے خود زہر کھا لیا ہو۔" محمود نے کہا۔

"میں فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔ کہ انھوں نے اس پہلو سے جائزہ لیا ہے یا نہیں۔" اکرام نے کہا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف کی بات سننے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔

اب وہ بت بنا بیٹھا تھا۔

"کیوں۔ کیا ہوا۔ کیا کوئی اور عجیب بات سنی ہے۔"

"ہاں! ڈاکٹر صاحب نے ایک نئی خبر سنائی ہے۔" اکرام نے کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اس کیس میں تو اوپر تلے نئی خبریں سننے میں آ رہی ہیں۔" فاروق بولا۔

"بھئی پہلے خبر تو سن لو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے میں نے اپنے کان

بند کر رکھے ہوں۔" جواب میں فاروق نے اس سے بھی تیز نظروں سے اسے گھورا۔

"نئی خبر یہ ہے کہ مردہ خانے میں موجود لاش اب بالکل سیاہ رنگ کی ہو چکی ہے۔ اور ڈاکٹر حیران ہو رہے ہیں۔"

باری

وہ ساکت رہ گئے - چند لمحے تک موت کی خاموشی طاری رہی، پھر فاروق نے کہا:

"اللہ اپنا رحم فرمائے، یہ کیس تو گرگٹ کی طرح رنگ بدل رہا ہے۔"

"کیس کے ساتھ ساتھ لاش بھی۔" فرزانہ نے کہا۔

"اس کا مطلب تو پھر یہی ہے - اسے زہر دیا گیا ہے - یا اس نے خود زہر کھایا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن کیوں! اس نے تو کسی کو قتل نہیں کیا تھا - پھر اسے زہر کھانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اس کا بیان تو یہی ہے - کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔"

"اور اس کے دونوں بھائیوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔"

"ہوں! اگر قدیر خان کی موت زہر سے ہوئی ہے تو ہمیں بہر حال یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اسے کس نے زہر دیا، اور کہیں اس نے خود تو زہر نہیں کھایا۔"

"ڈاکٹر صاحب ہمیں خود ہی فون پر اطلاع دیں گے ______ اور اطلاع آنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی، کیوں کہ اس سے پہلے تو انھوں نے زہر کے امکانات پر غور کیا ہی نہیں تھا۔"

آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی، دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کہ رہے تھے:

"اب اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ قدیر خان کو گی کی موت ایک زہر سے ہوئی ہے - اس زہر کی علامات ہمارے ہاں پائے جانے یا ملنے والے زہروں سے بالکل مختلف ہیں - جس کا مطلب یہ ہوا کہ زہر کسی دوسرے ملک کا تھا اور ایسا تھا کہ پہلے ہمارے ملک میں استعمال نہیں کیا گیا - کیوں کہ کبھی زہر سے لاش کے سیاہ ہو جانے کی کوئی واردات میرے علم میں نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ ڈاکٹر صاحب - آپ یہ جاننے کی کوشش جاری رکھیں کہ یہ زہر کہاں پایا جاتا ہے۔"

"بہت بہتر - ہم کوشش کریں گے۔"

ریسیور رکھ کر وہ اُن کی طرف مُڑے:

"کیوں نہ ہم خود یہ بات جاننے کی کوشش کریں۔"

"وہ کیسے ابّا جان — ہم تو زہروں کے ماہر نہیں ہیں۔"

"لیکن میں ایک آدمی کو جانتا ہوں — جو زہروں کا کیڑا ہے۔"

"ارے باپ رے — کہیں وہ ہمیں کاٹ نہ لے۔" فاروق گھبرا گیا۔

"زہروں کا کیڑا میں نے ان معنوں میں کہا ہے — جیسے ہم کتابوں کا کیڑا کہہ دیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔" فاروق نے اطمینان کا سانس لیا۔

محمود اور فرزانہ بُرا سا منہ بنا کر رہ گئے۔

"اکرام تم دفتر چلو — میں ذرا ان کے ساتھ اپنے واقف سے مل آؤں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

وہ جیپ میں زہروں کے ماہر کی طرف روانہ ہوئے۔

"آپ کے واقف کار کا نام کیا ہے ابّا جان؟" فاروق نے پُوچھا۔

"پروفیسر ارتاش — ایک غیر مُلکی ہے — اس نے افریقہ

جنگلوں میں رہ کر زہروں پر کام کیا ہے۔"

"بھئی واہ — پھر تو وہ ضرور اس زہر کے بارے میں بتا دیں گے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

پروفیسر ارتاش کا مکان شہر کے سرے پر واقع تھا، انھیں وہاں تک پہنچنے میں بہت دیر لگی — آخر وہ مکان کے سامنے اُترے — مکان چھوٹا سا، لیکن خوبصورت تھا — دُور دُور تک اس کے آس پاس کوئی مکان نہیں تھا — جنگل کے چرند پرند کے علاوہ کوئی آواز نہیں تھی۔ محمود نے گھنٹی کا بٹن دبایا — اندر گھنٹی بجنے کی آواز انھوں نے صاف سُنی اور وہ قدموں کی آواز کا انتظار کرنے لگے — ایک منٹ گزر گیا — کوئی دروازہ کھولنے نہ آیا — اب محمود نے پھر گھنٹی کا بٹن دبایا — گھنٹی بجی، ایک منٹ اور گزر گیا — تیسری بار پھر بٹن دبایا گیا — لیکن دروازہ نہ کھلا — انسپکٹر جمشید پہلے ہی بے چین ہو چکے تھے — انھوں نے دروازہ دھکیلا تو وہ اندر سے بند تھا:

"کہیں پروفیسر سو تو نہیں رہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"اتنی گہری نیند!" فرزانہ بولی۔

"دائیں بائیں اور پچھلی سمت کا جائزہ لو — اندر داخل ہونے کا کوئی راستہ ہے یا نہیں۔" وہ بولے۔

انھوں نے دُوسری طرف جا کر دیکھا اور پھر فارُوق کی آواز سُنائی دی:

"ارے! اس طرف ایک کھڑکی کُھلی پڑی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ پھر وُہ تیزی سے کھڑکی کی طرف بڑھے۔

کھڑکی ذرا اونچائی پر بنائی گئی تھی۔ اس میں سلاخیں نہیں تھیں۔ فارُوق نے اس کی چوکھٹ پر دونوں ہاتھ رکھے اور اندر پھلانگ گیا۔

"دروازہ کھول دو بھئی۔ ہم دروازے سے ہی داخل ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ اندر خیریت نہیں ہے؟"

"کُھلی کھڑکی تو یہی کہ رہی ہے۔"

آخر وُہ صدر دروازے سے اندر داخل ہوئے۔ مکان میں مَوت کی سی خاموشی طاری تھی۔ انھیں یُوں لگا جیسے وہاں کبھی کوئی رہتا ہی نہ رہا ہو۔ صحن کے سامنے ایک کمرے کا دروازہ کُھلا تھا۔ وُہ اس کمرے میں داخل

ہو گئے۔ کمرے کی دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی تھی۔ اس پر کوئی چادر اوڑھے سو رہا تھا۔

"وُہی بات ہو گئی۔ پروفیسر صاحب تو سو رہے ہیں۔" فارُوق بولا۔

"نہیں بھئی۔ یہ سو نہیں رہے۔ بلکہ ہمیشہ کے لیے سو گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی۔ کیا مطلب؟" وُہ چونکے۔

انھوں نے کوئی جواب نہ دیا اور آگے بڑھ کر چادر اُلٹ دی۔ دُوسرے ہی لمحے ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ نہ صرف ان تینوں کی۔ بلکہ انسپکٹر جمشید کی بھی۔ بستر پر واقعی ایک لاش پڑی تھی۔ لیکن اس کا رنگ بالکل سیاہ تھا۔

"اُف مالک۔ دُوسری سیاہ لاش۔" محمود نے کانپ کر کہا۔

"مجھے اس کی ایک فی صد بھی امید نہیں تھی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی۔ کِس کی؟"

"پروفیسر ارتاش کی لاش ملنے کی۔ لیکن اب ہم یہی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ پروفیسر کا کوئی نہ کوئی تعلق قاتل سے ضرور ہے۔ قدیر خان گوگی نے بھی زہر خود

لیکن اُلجھن اس کے

نہیں کھایا۔ بلکہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ آخر اس نے یہ کیوں کہا تھا

الفاظ نے پیدا کی ہے۔ لیکن اس

کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے۔ بالکل بے گناہ ہے۔

کے باوجود وُہ قاتل نہیں ہے۔ وُہ دونوں کے

جب کہ اس کے صرف دو بھائی اور ہیں۔ بھائیوں نے بھی اس بات کی

دونوں زندہ سلامت ہیں۔ پھر وُہ قاتل

تصدیق کر دی ہے کہ وُہ تین بھائی ہیں، پھر وُہ قاتل

کس طرح ہو گیا۔ اور وُہ تو زندہ حالت میں دفتر آیا

تھا اچانک مر گیا۔ اور کچھ دیر بعد اس کی لاش سیاہ

پڑ گئی۔ یہ سب باتیں اُلجھن میں اضافہ کر رہی ہیں۔" انسپکٹر

جمشید کہتے چلے گئے۔

"ہماری قسمت ہیں اُلجھن سے خالی کیس ہیں ہی نہیں۔"

فاروق نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید نے اکرام کو فون پر ہدایات دیں اور اس

کے بعد ان سے بولے:

"میں لاش کا جائزہ لیتا ہوں، تم تینوں اس پورے

گھر کی باریک بینی سے تلاشی لو۔ پروفیسر ارتاش ڈائری

لکھنے کا عادی تھا۔ اگر ہم اس کی پُرانی ڈائریاں تلاش کر

سکے تو بہتر رہے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" تینوں بولے۔

وُہ ڈائریوں کی تلاش میں لگ گئے۔ بہت جلد وُہ بیس

کے قریب ڈائریاں اُٹھا کر لاش والے کمرے میں آ

گئے۔

"لیجیے ابا جان ڈائریاں تو مل گئیں۔ وُہ بھی بیس عدد

گویا ہم پروفیسر صاحب کی زندگی کے بیس سالہ حالات معلوم

کر سکتے ہیں۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی کام کی بات۔ اب ذرا میرے

اندازے سُنو۔ قاتل پروفیسر ارتاش کے لیے کوئی اجنبی آدمی

تھا۔ یا پھر وُہ میک اپ میں رہا ہو گا۔ کیوں کہ پروفیسر

نے اس کے لیے دروازہ کھولا۔ اسے اندر لایا اور اندر لانے

سے پہلے گھر کا دروازہ بھی بند کیا۔ گویا اسے اس سے

کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا، یہاں کسی بے ترتیبی کے

آثار بھی نہیں ہیں۔ قاتل نے نہایت اطمینان سے زہر پروفیسر

کے جسم میں داخل کیا اور کھڑکی کے راستے فرار ہو گیا۔

پروفیسر یوں بھی ایک پُر امن آدمی تھا۔ اس کی کسی سے

بھی کوئی دشمنی نہیں تھی۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ قاتل

کو یہ بات معلوم تھی کہ پروفیسر ارتاش اس زہر کی

حقیقت سے باخبر ہے۔ بس اس نے خوف محسوس کیا کہ

کہیں وہ پولیس کو بتا نہ دے ؛ چناں چہ اس نے پروفیسر کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔"

"لیکن ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ وہ پروفیسر کے لیے اجنبی آدمی تھا۔ پھر بھلا پروفیسر اس کے بارے میں کسی کو کیا بتا سکتا تھا۔" محمود نے اعتراض کیا۔

"میں نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ ہو سکتا ہے، وہ میک اپ میں آیا ہو۔ اور میک اپ میں آنے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ پروفیسر راتاش اس سے اچھی طرح واقف تھا۔"

"خیر مطلب یہ ہوا کہ لے دے کے اب یہ ڈائریاں ہی ہمارے کچھ کام آ سکتی ہیں۔"

"ہاں ! بالکل۔"

آخر اکرام وہاں پہنچ گیا — وہ دوسرے کمرے میں آ کر بیٹھ گئے اور ان ڈائریوں کی ورق گردانی شروع کی — یہ کوئی چھوٹا سا کام نہیں تھا۔ بیس سال کے دنوں کی روداد کو پڑھنا تھا۔ انھوں نے ایک ایک ڈائری اٹھا کر پڑھنا شروع کی۔ اس طرح ایک وقت میں چار ڈائریاں پڑھی جا سکتی تھیں۔ اور جس ڈائری میں کوئی خاص بات نظر آتی۔ اس کو سب کے سامنے لایا جا سکتا تھا۔ وہ تیز رفتاری سے پڑھتے رہے۔ آخر بیس کی بیس ڈائریاں پڑھ ڈالی گئیں۔

فرزانہ نے ایک ڈائری الگ کی تھی۔ ان تینوں کے حصے میں آنے والی ڈائریوں میں کوئی خاص بات نظر نہیں آ سکی تھی۔

"ہاں فرزانہ ! اس ڈائری میں کیا بات ہے ؟"

"چند جملے۔ لیجیے میں دکھاتی ہوں۔" یہ کہ کر اس نے ڈائری کھول کر ان کے سامنے کر دی۔ وہاں لکھا تھا :

"آج جب چند دیہاتی ایک بچے کو میرے پاس لائے، جسے سیاہ ناگ نے ڈس لیا تھا تو مجھے بہت رنج ہوا۔ اگر میرے پاس 'سوینا' زہر ہوتا تو میں اس کے جسم سے زہر کا اثر بالکل زائل کر سکتا تھا۔ لیکن افسوس۔ سوینا زہر تو میرا مہمان لے اڑا تھا۔ بچے نے میرے سامنے تڑپ تڑپ کر جان دے دی اور میں اس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا۔ افسوس۔"

تحریر پڑھ کر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا :

"میرا خیال ہے۔ اس پیرے کا موجودہ کیس سے تو کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔" محمود بڑبڑایا۔

"وہ کیسے ؟" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"وہ اس طرح کہ کیس سیاہ ناگوں کے کاٹنے کے نہیں ہیں،

سکے زہر دینے کے ہیں: محمود نے کہا۔

"تم بھے نہیں۔ غور کرو۔ پروفیسر ارتاش کے پاس سوینا
نامی ایک زہر تھا۔ اس زہر کی مدد سے وُہ زہریلے سانپوں
کے زہر کے اثر کو زائل کر دیتا تھا۔ اس کام کی وُہ بھاری
فیس بھی لیتا ہوگا۔ لیکن اس کے کسی مہمان نے وُہ زہر چرا
لیا۔ مزید زہر پروفیسر ارتاش حاصل نہیں کر سکا۔ اس لیے
سیاہ ناگ سے ڈسے جانے والے بچّے کو نہ بچا سکا۔ لیکن وُہ
رنج و غم کا اظہار کر رہا ہے۔ اب اس شخص کے بارے میں
غور کرو۔ وُہ زہر کیوں چُرا لے گیا۔ وُہ تھا کون۔ باقی ڈائریوں
میں سے کسی میں بھی ہمیں اس مہمان کا ذکر نہیں ملتا۔ اور
یہ بہت عجیب بات ہے۔ ذکر ضرور ملنا چاہیے تھا۔ یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ اس نے اس زہر کی گم شدگی کا ذکر اپنی
ڈائری میں نہ کیا ہو۔"

"لیکن ہم ان سب ڈائریوں کو پڑھ چکے ہیں۔"

"ہاں! لیکن ہم نے یہ بات نوٹ نہیں کی۔ کہ ان میں
سے کوئی ڈائری گم تو نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"اوہ واقعی۔ یہ خیال تو ہمیں آیا ہی نہیں۔" وُہ چونکے۔

انھوں نے تمام ڈائریوں کے سن دیکھے اور انھیں یہ بات
معلوم ہو گئی کہ ان میں سے ایک ڈائری غائب تھی۔ تقریباً
پندرہ سال پہلے کی ڈائری۔ زہر لے جانے والے مہمان کا ذکر
اس کے کئی سال بعد کی ڈائری میں تھا۔ وُہ کچھ دیر سوچ
میں گم رہے، پھر محمود نے کہا:

"اس کا مطلب ہے۔ پندرہ سال پہلے جو شخص پروفیسر ارتاش
کا مہمان ہوا تھا۔ وہی ان کا قاتل ہے۔ اور اس نے سوینا
زہر چرایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ سوینا زہر کیا بلا ہے؟ یہ
پروفیسر کو کہاں سے ملا تھا اور وُہ دوبارہ اس زہر کو کیوں
حاصل نہ کر سکا۔ کاش ہم وُہ ڈائری حاصل کر لیتے۔ لیکن بھلا
قاتل اسے یہاں کیوں چھوڑتا۔ اس نے تو زہر کا راز چھپانے
کے لیے پروفیسر کو ہلاک کیا ہے۔ ڈائری ہمارے ہاتھ لگ
جاتی تو زہر کا راز راز کب رہ جاتا۔"

"ہاں محمود۔ تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ قاتل کوئی بہت ہوشیار
آدمی ہے۔ ابھی ہمیں یہ بھی معلوم نہیں، وُہ یہ واردا تیں کر
کیوں رہا ہے۔ خیر آؤ۔ قدیر خان گوگی کے بھائیوں سے
ملاقات کر لیں۔ انھیں لاش میں تبدیلی کے بارے میں
بھی تو بتانا ہے۔"

وُہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ رشید اور شبیر نے ان کا استقبال
کیا۔ ان کے چہرے حد درجے اداس تھے۔

"کچھ پتا چلا انسپکٹر صاحب؟"

"ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ بہت جلد راز معلوم کر لیں گے اور قاتل کو پولیس کے حوالے کر دیں گے، لیکن اس سلسلے میں آپ کو ہماری مدد کرنا ہوگی۔"

"ہم ہر طرح تیار ہیں۔" رشید گوگی نے فوراً کہا۔

"شکریہ۔ آپ لوگ پروفیسر ارتاش کو جانتے ہیں؟"

"پروفیسر ارتاش۔ نہیں تو۔" دونوں حیران ہو کر بولے۔

"خیر۔ ایک خبر سُن لیں۔ آپ کے بھائی جان کی لاش مُردہ خانے میں بالکل سیاہ رنگ کی ہو گئی ہے۔"

"کیا!" ان دونوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ وُہ بے تحاشہ چلّا اُٹھے:

"ن۔ ن۔ نہیں۔ نہیں۔"

اب حیران ہونے کی باری ان کی تھی۔

ایک دو تین

چند لمحے تک وُہ انھیں گھورتے رہے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

"اس بات نے آپ کو حد درجے حیرت زدہ کر دیا ہے۔ خیر تو ہے۔"

"اس۔ اس کا مطلب ہے۔ وُہ یہاں بھی آ پہنچا۔" شبیر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"کون۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"کیا خیال ہے بھائی۔ اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔" شبیر گوگی نے رشید کی طرف دیکھا۔

"ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ انھیں ساری بات بتا دینے میں ہی بہتری ہے۔"

"شکریہ۔ آپ بالکل ٹھیک سوچ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"تو پھر سُنیے۔ ہم نے غلط بیانی کی تھی۔ ہم تین نہیں،

چار بھائی تھے"۔

"کیا!" چاروں چلّا اُٹھے۔

"جی ہاں! ہم چار بھائی تھے۔ ایک دن ہمیں بڑے بھائی کی لاش ملی تھی۔ ہم ابھی رو پیٹ ہی رہے تھے کہ لاش سیاہ پڑ گئی"۔

"اوہ! وُہ چونکے۔

"ہم اس قدر سیاہ رنگ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے۔ اور پھر چپ چپاتے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا۔ محلے والوں کو کس طرح بتاتے۔ کس طرح دکھاتے۔ لوگ کہتے۔ پتا نہیں اس نے کیا گناہ کیا تھا کہ اس کا رنگ سیاہ ہو گیا۔"

"یہ کب کا واقعہ ہے۔ اور کیا اسی جگہ ہوا تھا یہ؟" انھوں نے پُوچھا۔

"نہیں۔ اس وقت ہم چاروں بھائی افریقہ میں موجود تھے۔ وہاں مُلازمت کرتے تھے۔ ہم دراصل انجنیئر ہیں۔ ایک افریقی ریاست کو انجنیئروں کی ضرورت تھی؛ چنانچہ ہم نے وہاں جا کر مُلازمت کر لی۔ وہیں یہ واقعہ پیش آیا۔ ہم نے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور خود چھٹی کی درخواستیں دے کر اپنے مُلک آ گئے، پھر ہم نے اس

ریاست کا رُخ نہیں کیا"۔

"صرف اتنی سی بات سے ڈر کر لوگ کیا کہیں گے"۔

"نہیں۔ بعد میں ہمیں احساس ہوا کہ ہم نے بھائی کی لاش کو اس طرح دفن کر کے بہت غلطی کی تھی۔ اب ہم دفتر والوں سے کیا کہتے۔ چند دن تک تو یہ کہتے رہے کہ وُہ بیمار ہے۔ دو چار روز تک ڈیوٹی پر آ جائے گا۔ پھر ہم وہاں سے فرار ہو گئے۔ یہ سوچ کر کہ اگر بھائی کی گم شدگی کی تفتیش شروع ہو گئی تو کہیں لاش برآمد نہ کر لی جائے اور ہمیں قاتل نہ خیال کر لیا جائے"۔

"ہُوں! آپ کے بڑے بھائی کا نام کیا تھا؟"

"منیر خان گرگی"۔

"اس ریاست میں اس کی مصروفیات کیا تھیں، کن لوگوں سے ملنا جلنا تھا"؟

"ان کے وہاں چند دوست بن گئے تھے۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر وُہ ان کے ہاں چلے جاتے۔ ہم اپنے دوستوں کے ہاں چلے جاتے۔ پردیس میں وقت گزارنا بھی ایک مسئلہ ہوتا ہے"۔

"کیا آپ لوگوں کی ان دنوں شادیاں ہو چکی تھیں؟"

"نہیں۔ ہم تو ان دنوں بس تعلیم سے فارغ ہی ہوئے

تھے کہ وہ ملازمتیں مل گئیں۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد ہم نے شادیاں کیں۔"

"اور یہ جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی کہ آپ کے بھائی کی موت پُر اسرار کیوں تھی۔ انہیں کیا ہوا تھا؟"

"ہم ڈر گئے تھے ۔ لہٰذا کس طرح معلوم کر سکتے تھے۔"

"تاہم آپ لوگ پریشان ضرور رہے اور یہ سوچتے بھی رہے کہ کیا کیا جائے ، لیکن کچھ نہ کر سکے۔"

"جی ہاں ! بالکل یہی بات ہے۔"

"اور یہ راز آپ لوگوں کے لیے آج تک راز ہی ہے ، یہاں تک کہ اب آپ کے دُوسرے بھائی بھی اسی حالت میں مارے جا چکے ہیں۔"

"جی ہاں !"

"خیر۔ آپ فکر نہ کریں ۔ ہاں اگر آپ کوئی بات چھپا رہے ہوں تو اس کو ظاہر کر دیں۔"

"جی نہیں ! ہمیں کوئی بات چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔" رشید گوگی نے فوراً کہا۔

"کیا پہلے بھائی کی موت بھی اسی طرح ہوئی تھی ۔ یعنی پہلے انہیں ہچکی آئی تھی ؟"

"ہاں ! ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔"

"تو پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے ۔ آپ کے دونوں بھائی مرے نہیں ۔ انہیں قتل کیا گیا ہے۔"

"کیا !" وہ بلند آواز میں چلائے۔

"ہاں ! اس میں اب کوئی شک نہیں رہا ۔ اب تو آپ کے بھائیوں کے ساتھ پروفیسر ارتاش کی لاش بھی شامل ہو چکی ہے ۔ ان کی لاش بھی سیاہ حالت میں ملی ہے ۔ اور اب یہ دونوں لاشیں مُردہ خانے میں پڑی ہیں۔"

"اُف مالک ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"اسی لیے تو میرا اندازہ ہے کہ آپ لوگ کچھ چھپا رہے ہیں ۔"

"جی نہیں ۔ ہم کچھ بھی نہیں چھپا رہے۔" شبیر گوگی نے کہا ۔

"خیر ۔ آپ کی مرضی ۔ آپ نہ مانیں ۔ لیکن ایک سوال کا جواب ضرور دیں۔"

"فرمایئے۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"افریقی ریاست میں آپ چاروں بھائیوں کا کوئی مشترکہ دوست بھی تھا ؟"

"مشترکہ دوست ۔ جی نہیں۔"

"پروفیسر ارتاش بھی شاید اسی افریقی ریاست میں رہتے

تھے۔ ایک بار پھر سوچ لیں۔ کیا آپ کی ان سے کبھی ملاقات ہوئی تھی؟"

"جی نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اب ایک آخری بات سُن لیں۔ وی… میرا خیال ہے۔ آپ لوگ پہلے ہی یہ اندازہ لگا چکے ہو… گے۔"

"کیسا اندازہ۔ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" شبیر گوگی کے لہجے… حیرت تھی۔

"یہ کہ آپ دونوں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ جلد یا بد… آپ بھی سیاہ موت کا شکار ہونے والے ہیں۔ ویسے ہم… کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو۔"

دونوں ساکت رہ گئے۔ کئی سیکنڈ تک خالی خالی نظرو… سے ان کی طرف دیکھتے رہے۔

"ہو سکتا ہے، میرا خیال غلط ہو۔ اچھا اب ہم چلیں… ارے ہاں۔ افریقی ریاست کا نام اور وہاں آپ جس… پر رہتے تھے۔ وہ ایک کاغذ پر لکھ دیں۔"

"کیوں! آپ کیا کریں گے؟"

"شاید ہمیں وہاں جانا پڑے۔"

"اوہ۔ آپ۔ آپ اتنی دُور جائیں گے۔ کیس کو حل کر…

کے سلسلے میں۔"

"ہاں! کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔ مکمل معلومات حاصل کرنے کے لیے ہمیں وہاں جانا ہی پڑے گا۔ اگر پروفیسر ارتاش مارے نہ جاتے تو شاید ہمیں وہاں جانے کی ضرورت نہ پیش آتی۔"

"اور۔ آنے جانے کے اخراجات؟" شبیر گوگی نے حیران ہو کر کہا۔

"وہ ہم اپنی جیب سے کریں گے۔ حکومت پر ہم ایسے بوجھ نہیں ڈالتے۔" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔

"کیا آپ واقعی افریقی ریاست جائیں گے ابا جان؟"

"صرف میں نہیں۔ تم لوگ بھی۔" وہ بولے۔

"بھئی واہ۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ ارے ہاں۔ کیوں نہ انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل کو بھی ساتھ لے چلیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ اگر انہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر اعتراض ہوگا تو وہ جائیں گے ہی نہیں۔" فاروق نے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ ان سے بات تم خود کرو گے۔"

محمود کے قدم دروازے کی طرف اُٹھنے لگے۔

★

دروازہ کھلتے ہی اس کی نظر ایک لمبے تڑنگے سیاہ رنگ
کے آدمی پر پڑی۔ اس کا دل دھڑک اُٹھا۔ وہ کوئی
افریقی باشندہ تھا۔

"فرمایئے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے؟"

"انس۔ پکٹر۔ جمشید!" اس نے اجنبی لہجے میں کہا۔

"آیئے!" محمود نے کہا اور اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا
کر باہر نکل آیا۔

"وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر۔ صرف میں اس سے ملاقات کروں
گا۔ تم لوگ باہر ہی ٹھہرو گے؟"

"جیسے آپ کی مرضی!" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"بیگم۔ مہمان کے پینے کے لیے کچھ بھیج دو!" انھوں نے
کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ کمرے میں داخل
ہوتے ہی ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ کیوں کہ ملاقاتی
اندر نہیں تھا۔ وہ تیزی سے گھومے۔ انھوں نے دیکھا

سیاہ فام آدمی دیوار سے لگا کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ
میں ایک ننھا سا خنجر تھا۔ اس کا پھل لہریے دار تھا۔ اور
نوک پر کوئی چمک دار چیز لگی تھی۔

"خبردار انسپکٹر جمشید۔ ہم لوگ خنجر پھینکنے کے بہت
ماہر ہیں۔ پستول کی گولی بعد میں دشمن تک پہنچتی ہے،
ہمارا خنجر پہلے۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟" انسپکٹر جمشید پُرسکون آواز میں مسکرائے۔

"کمرے کا دروازہ بند کر دو۔ چلو۔ جاؤ واپس۔" اس
نے پھنکار کر کہا۔

"بہت بہتر!" انھوں نے کہا اور پھر دروازے کی طرف
مڑے۔

چٹخنی لگا کر وہ اس کی طرف گھوم گئے اور بولے:

"اب کہو۔ کیا بات ہے؟"

"انسپکٹر! دروازہ بند کر کے تم نے گویا اپنی موت پر
دستخط کر دیے۔ اور وہ بھی سیاہ موت پر۔" وہ دبی آواز
میں بولا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"اس وقت تمھارے پاس پستول نہیں ہے۔ ہوتا تو بھی
مجھ سے پہلے گولی نہ چلا سکتے۔ چاہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔"

"تجربہ۔ کس طرح؟" انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے انداز میں
"تمھارے پاس پستول نہیں ہے۔"
"تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ میں نے ابھی ابھی لباس تبد
کیا ہے۔"
"لیکن میرے پاس ایک عدد پستول بھی ہے۔"
"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔"
"تم میرا پستول لے لو انسپکٹر۔ لو کیچ کر لو۔" اس
بائیں ہاتھ سے ایک ننھا سا پستول جیب سے نکالا اور
ان کی طرف اچھال دیا۔ انھوں نے پستول دبوچ لیا۔ ا
ایک نظر دیکھا۔ وہ بھرا ہوا تھا۔
"ہم ایک ساتھ وار کریں گے۔ میں خنجر پھینکوں گا۔
پستول کا ٹریگر دباؤ گے۔ جو ماہر ہو گا۔ بچ جائے گا۔
اناڑی مارا جائے گا ______ باس کا
بھی یہی ہے۔" اس نے فخریہ لہجے میں کہا۔
"باس کا حکم۔ کیا مطلب؟"
"حکم ہے۔ کہ انسپکٹر جمشید کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔"
"کیوں۔ میں نے تمھارے باس کی مرغیاں چرا لی ہیں"
انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"مرغیاں۔ کیا مطلب؟"

"مرغیوں کا مطلب مرغیاں ہی ہوتا ہے۔"
"ہوتا ہو گا۔ تم اس مقابلے کے لیے تیار ہو یا نہیں۔"
اس کے لہجے سے حقارت ٹپک رہی تھی۔
"ضرور کیوں نہیں۔ لیکن تم میرے گھر میں اس وقت
مہمان ہو۔ پہلے کچھ پی لو۔ پھر یہ مقابلہ کریں گے۔"
"میں صرف ایک چیز پی کر خوش ہوتا ہوں۔ اور وہ تم
پلا نہیں سکو گے۔"
"نہیں بھئی۔ ایسی بھی کیا بات ہے۔ میں ضرور پلاؤں
گا۔"
"اگر یہ بات ہے تو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔
تم نہیں پلا سکو گے۔"
"اب تو میں ضرور پلا کر رہوں گا۔ اس مشروب کا
نام لو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔
"میں صرف انسانی خون پینے کا عادی ہوں۔ کہو۔ کیا
پلاؤ گے۔"
"مجھے مار کر میرا خون پی لینا۔" انھوں نے نفرت زدہ
لہجے میں کہا۔
"میں پہلے ہی جانتا تھا۔ تم یہی کہو گے۔ اسی لیے میں
تا نہیں رہا تھا۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو تم بتا چکے۔ مقابلے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں بالکل تیار ہوں۔" اس نے کہا اور خنجر ہاتھ میں تول لیا۔ انسپکٹر جمشید پہلے ہی پستول لیے تیار کھڑے تھے۔

"میں ایک دو تین کہوں گا۔ خبردار تین سے پہلے فائر نہ کرنا۔ ورنہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔"

"اور تم بھی تین سے پہلے خنجر نہیں پھینکو گے۔"

"ہرگز نہیں۔ یہ تو ویسے بھی میرے اُصولوں کے خلاف ہے۔ لو تیار ہو جاؤ۔ ایک۔ دو۔ تین۔"

جھڑپ

"مجھے یہ مُلاقاتی بہت عجیب لگا ہے۔" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"صرف عجیب لگنے کا کیا فائدہ۔ ساتھ میں غریب بھی لگنا چاہیے۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"فکر کی ضرورت نہیں۔ اس کا مقابلہ ابّا جان سے ہے۔"

"اس کے باوجود مَیں خطرے کی بُو محسوس کر رہی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"اللہ کے لیے اپنی ناک کو کچھ سمجھاؤ۔" فارُوق نے اسے گھورا۔

"غور طلب بات صرف یہ ہے کہ وُہ سیاہ فام ہے۔ یعنی افریقی باشندہ ہے اور ہم اس وقت جس کیس سے دوچار ہیں، اس کا تعلق بھی ایک افریقی ریاست سے ہے۔ اس لیے مَیں یہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں کر

یہ محض اتفاقیہ طور پر آیا ہے۔ اس کی آمد میں ضرور کوئی راز ہے۔"

"تو پھر ہم ڈرائنگ روم سے نزدیک ہو جاتے ہیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ بیگم جمشید ہاتھوں میں ٹرے اٹھائے باہر نکلیں:

"کہاں چل دیے؟" وہ ان تینوں کو دیکھ کر بولیں۔

"جی کہیں بھی نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اچھا تو یہ ٹرے اندر دے آؤ۔" انھوں نے کہا۔

"بہت بہتر امی جان۔ لائیے۔" محمود نے یہ کہہ کر ٹرے پکڑ لی اور ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

دروازے پر پہنچ کر فرزانہ نے کان اندر کی آوازیں سننے کے لیے لگا دیا۔ محمود اور فاروق بھی جھک گئے۔ اور پھر ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ محمود جلدی سے ہٹا اور ٹرے ایک طرف رکھ دی۔ پھر ان کے ساتھ آ ملا۔ اب وہ اندر ہونے والی باتیں غور سے سن رہے تھے اور ان کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے آواز سنی:

"ایک دو تین۔"

ساتھ ہی کچھ کی آواز سنائی دی، لیکن فائر کی آواز نہیں آئی تھی۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ دبے پاؤں پیچھے ہٹ آئے۔ صدر دروازہ پہلے ہی اندر سے بند تھا۔ باقی دروازے بھی انھوں نے اندر سے بند کر لیے اور ہاتھوں میں اپنے ہتھیار لے کر پوزیشن لے لی۔ ان کی آنکھوں سے شدید تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ انھوں نے اپنی والدہ کو کچھ نہیں بتایا تھا؛ تاہم ان کی تیاریاں دیکھ کر وہ اتنا اندازہ ضرور لگا چکی تھیں کہ اندر کچھ گڑبڑ ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی تیاری مکمل کر لی تھی اور وہ بھی باورچی خانے میں تیار بیٹھی تھیں۔

پھر ایک منٹ گزر گیا، لیکن ڈرائنگ روم کا دروازہ نہ کھلا۔ انھوں نے سوالیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"آخر وہ اندر کیا کر رہا ہے؟" محمود نے سرگوشی کی۔

"پتا نہیں۔ ہمیں مورچے چھوڑ کر دروازے تک جانا ہو گا۔" فاروق بولا۔

"لیکن ہم تینوں کیوں جائیں۔ ہم میں سے ایک کیوں

ذ جائے"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تو پھر تم ہی جاؤ۔ تمھارے کان بہت تیز ہیں"۔ فاروق نے کہا۔

"ہاں! میرے کان تیز ہیں، دوسرے یہ کہ میں بزدل بھی نہیں ہوں"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا اور مورچہ چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"ذرا اسے غصہ دلایا نہیں اور اپنا مطلب حل ہوا نہیں" فاروق بولا۔

"اندر۔ پتا نہیں ابا جان کس حال میں ہیں اور ہم یہاں باتیں بگھار رہے ہیں۔ افسوس"۔ فرزانہ نے اسے گھورا اور فاروق نے دم سادھ لیا، اسے اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ محمود کا بھی رنگ اڑ گیا۔

فرزانہ دبے پاؤں دروازے تک گئی اور کان لگا دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ زور سے چونکی۔ محمود اور فاروق اسے چونکتے دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ اب وہ بھی مورچوں میں نہ رہ سکے۔ اور نکل کر اس کے پاس آ گئے:

"کیا بات ہے؟"

"اپنے کانوں کو کام میں لاؤ"۔ اس نے اشاروں میں کہا۔

اب انھوں نے بھی کان لگا دیے۔ ان کے دل زور سے دھڑکے۔

★

تین کے ساتھ ہی سیاہ فام کا ہاتھ بجلی کی طرح تڑپا اور خنجر ان کی طرف آیا۔ انھوں نے پہلے ہی پروگرام بنا لیا تھا کہ خود فائر نہیں کریں گے۔ صرف اس کے خنجر کے وار سے بچنے کی کوشش کریں گے، لہٰذا اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ حرکت میں آتا، انھوں نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور لڑھک کر سیاہ فام کی طرف آ گئے۔ خنجر دیوار سے لگا۔

سیاہ فام کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے پھیل گئیں۔ وہ بت بن کر رہ گیا۔

"کیا ہوا دوست؟" انسپکٹر جمشید طنزیہ لہجے میں بولے۔

"حیرت۔ مجھے حیرت ہو گئی ہے۔ آج تک میرے خنجر کے وار سے کوئی نہیں بچ سکا۔ آپ پہلے آدمی ہیں"۔ اس کا لہجہ اب بدل گیا تھا۔

"لیکن ابھی میری باری باقی ہے۔ میں نے فائر نہیں

کیا تھا۔"

"ہاں! میں تیار ہوں۔ آپ فائر کریں۔"

"نہیں۔ فائر کرنے سے ضروری کام یہ ہے کہ تم ہ
اپنے باس کے بارے میں بتاؤ۔ وہ مجھے کیوں ہلاک کر
چاہتا ہے۔"

"آپ اس کے معاملے میں ٹانگ جو اڑا رہے ہیں۔"

"یعنی۔ گوگی برادرز کا معاملہ۔"

"ہاں!"

"وہ ان بھائیوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ اپنے راز کسی کو نہیں بتاتا۔"

"اس کا ٹھکانا کہاں ہے؟"

"اسی افریقی ریاست میں۔ جہاں کا یہ واقعہ ہے۔"

"کون سا واقعہ؟"

"گوگی برادرز اس ریاست میں ملازم تھے۔ وہاں انھوں
نے باس سے کوئی دشمنی مول لے لی۔ بس اسی وقت سے
باس ان کے پیچھے پڑ گیا۔ یہ وہاں سے کسی طرح بچ نکلے
میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن باس نے مجھے ان کی تلاش
پر لگا دیا اور آخر کار میں نے انھیں تلاش کر لیا۔"

"لیکن ایک بھائی وہیں تمھارے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

کیوں ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں بالکل۔ اس کی لاش دیکھ کر ہی تو یہ تینوں
وہاں سے بھاگے تھے۔"

"تینوں یا چاروں؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"چاروں۔ کیا مطلب؟"

"کیوں! کیا پروفیسر ارتاش کو تم نے قتل نہیں کیا؟"

"اوہ! آپ یہ بھی جانتے ہیں۔"

"ہاں بالکل۔ لیکن پروفیسر ارتاش کا ان معاملات سے
کیا تعلق تھا؟"

"یہ بھی گوگی برادرز کا پڑوسی تھا۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید یہ سُن کر چونکے۔

"ہاں! باس سے دشمنی مول لینے میں پروفیسر ارتاش
بھی ان کا ساتھی بن گیا۔ لہٰذا پروفیسر ارتاش کو بھی ان
کے ساتھ ہی گننا پڑا۔"

"آخر انھوں نے دشمنی کیا مول لی تھی؟"

"پتا نہیں۔"

"گویا اب تمھارا کام یہ ہے کہ ان سب کو ختم کر کے
اپنی ریاست میں چلے جاؤ۔ اور جا کر اپنے باس کو رپورٹ
دے دو کہ تم نے انھیں ہلاک کر دیا ہے۔"

"ہاں! بس یہی کام ہے۔"

"ریاست میں تمہارا باس کہاں رہتا ہے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔"

"گویا تمہیں معلوم ہے کہ باس کہاں رہتا ہے۔"

"ہاں بالکل۔" اس نے فخر سے کہا۔

"تب تم فکر نہ کرو۔ بتائے بغیر یہاں سے نہیں جا سکو گے۔"

عین اسی وقت سیاہ فام نے ان پر چھلانگ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید اگرچہ اس کی طرف سے اس قسم کی حرکت کے لیے تیار تھے؛ تاہم وہ ان سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوا۔ اس سے پہلے کہ ٹریگر دبتا، اس کا ہاتھ ان کی کلائی پر پڑا۔ پستول اچھل کر دروازے سے ٹکرایا۔ دونوں دھڑام سے فرش پر گرے۔ لیکن انسپکٹر جمشید نے فوراً ہی اسے اپنے اوپر سے اچھال دیا۔ اس نے ایک لڑھکنی لی اور کمرے کے دوسرے کونے میں پہنچ گیا، پھر سیدھا ہوتے ہوئے غراہٹ زدہ آواز میں بولا:

"اب یوں کام نہیں چلے گا۔"

"تو پھر۔ کس طرح کام چلے گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس طرح۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو ایک جھٹکا دیا۔

انھوں نے دیکھا۔ اس کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر کوئی سیاہ سی نوک دار چیز اُبھر آئی تھی۔

"یہ کیا ہے بھئی؟" انھوں نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"آپ کی موت۔" وہ بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"بلکہ یوں کہہ لیں کہ سیاہ موت۔ یہی وہ آلہ ہے۔ جس کی مدد سے قدیر خان گوگی اور پروفیسر ارتاش کو قتل کیا گیا ہے۔"

"لیکن قدیر خان گوگی تو میرے سامنے میرے دفتر میں ہلاک ہوا تھا۔"

"اس زہر سے موت فوری طور پر واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ جس وقت یہ زہر جسم میں اُترتا ہے۔ اس وقت تو انسان کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ پھر آدھ گھنٹے یا پون گھنٹے بعد اچانک موت واقع ہو جاتی ہے۔"

"لیکن۔ قدیر خان گوگی نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کے قاتل ہیں۔"

"میں نہیں جانتا۔ اس نے ایسا کیوں کہا۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ مجھے آپ کو ٹھکانے لگانا ہے۔ اور آپ

کے بعد آپ کے بچوں کو بھی۔"

"تو پھر آؤ — پہلے میری باری ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پُرسکون آواز میں کہا۔

اور سیاہ فام نے ایک بار پھر ان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ انسپکٹر جمشید پہلے ہی تیار کھڑے تھے — فوراً جھکائی دے گئے۔ اور وہ اپنے زور میں دیوار سے جا ٹکرایا۔

"شاید تمھاری موت تمھیں یہاں لے آئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کا فیصلہ ابھی چند منٹ کے اندر ہو جائے گا۔" اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔

اب وہ پھر مرغوں کی طرح پر تولے کھڑا تھا، لیکن انسپکٹر جمشید بالکل سیدھے کھڑے تھے — ان کی نظریں اس پر جمی تھیں —

جوں ہی اس نے ان پر چھلانگ لگائی — وہ دوسری سمت میں لڑھک گئے — اور جب وہ سیدھے ہوئے تو پستول ان کے ہاتھ میں تھا —

"بس — اب تم حرکت نہیں کرو گے۔"

اس نے تیز نظروں سے انھیں گھورا — اور ساکت کھڑا رہ گیا —

"اب تمھیں قانون کے حوالے کرنا ہو گا — تم دو آدمیوں کے قاتل ہو۔"

"مشکل ہے انسپکٹر صاحب — آپ مجھے قانون کے حوالے نہیں کر سکیں گے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"کیوں — کیوں نہیں کر سکوں گا۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"باس کا حکم یہی ہے — خود کو قانون کے شکنجے میں ہرگز نہ پھنسنے دوں — اور میں ان کا غلام ہوں — انھوں نے مجھے میرے ماں باپ سے خریدا تھا۔" اس نے عجیب بات کہی۔

"کیا مطلب — ماں باپ سے خریدا تھا — یہ کیا بات ہوئی، کہیں ماں باپ بھی اپنے بچے فروخت کرتے ہیں۔" ان کے لہجے میں حیرت تھی —

"افریقی ریاستوں میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

"کیسا؟" وہ بولے —

"کبھی جب قحط پڑتا ہے — اور حالات بہت نازک ہو جاتے ہیں — بچے کیا، بڑے بھی جب بھوکوں مرنے لگتے ہیں تو ماں باپ دولت مند لوگوں کے ہاتھوں اپنی اولاد کو بیچ دیتے ہیں — وہ بھی ایک دو وقت کے کھانے کے بدلے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا —

"مجھے بھی قحط کے دنوں میں میرے ماں باپ نے باس

کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ باس نے اس زمانے میں اور بھی بچے خریدے تھے۔ وہ سب آج اس کے غلام ہیں اور میری طرح اس کے احکامات بجا لاتے پھر رہے ہیں۔ ماں باپ نے ہمیں یہی نصیحت کی تھی۔ ہمیشہ اس شخص کا کہا ماننا۔ جس نے ہمیں کم از کم ایک دو دن تک تو بھوکوں مرنے سے بچا لیا۔"

"کاش! آپ لوگوں کو معلوم ہوتا۔ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اسی طرح رزق بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، ہاں تو تم کیا کرو گے خود کو قانون سے بچانے کے لیے؟"

"میں۔ یہ دیکھو۔ میں چلا۔ قریباً آدھ گھنٹے بعد میری سیاہ لاش یہاں پڑی ہو گی۔ کچھ سیاہ تو میں پہلے ہی ہوں، اب مزید سیاہ ہو جاؤں گا۔ میں اپنے باس پر جان دے رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ناخن پر لگی نوک اپنی بائیں کلائی میں اُتار دی۔ اسی وقت انھوں نے گھنٹی کی آواز سُنی۔

اُف مالک

محمود فوراً دروازے پر پہنچا اور چٹخنی گرا دی۔ خان رحمان کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے تھا:

"خیر تو ہے بھئی۔ تمھارے چہرے پر تو ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔"

"جی ہاں انکل۔ آئیے۔ کچھ ہوائیاں آپ بھی وصول کر لیں۔" محمود مسکرایا۔

"ہائیں ہائیں۔ یہ تم نے ہوائیوں کا کاروبار کب سے شروع کر دیا۔"

"آپ غلط سمجھے انکل۔ یہ کاروباری معاملہ ہرگز نہیں، ہم ہوائیاں بالکل مُفت سپلائی کرتے ہیں۔" محمود ہنسا۔

"اوہ اچھا اچھا۔ میں سمجھ گیا۔" خان رحمان فوراً بولے۔

"کیا سمجھ گئے۔ کچھ مجھے بھی سمجھاؤ۔" پیچھے سے پروفیسر داؤد کی آواز سُنائی دی۔

"ہائیں — آپ بھی پہنچ گئے۔" خان رحمان حیران ہو کر بولے۔
"لو اور سنو — خود ہی مجھے فون کیا — پہنچتا نہ تو کیا کرتا۔"
"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے — آئیے اندر چلیں — شاید اندر
کچھ گڑبڑ ہے۔" خان رحمان بولے۔
"شاید نہیں خان رحمان — یقیناً ہو گی — یہاں اور گڑبڑ
نہ ہو۔" پروفیسر داؤد مسکرائے۔
"لیکن اگر یہاں گڑبڑ ہے تو ہم جا کیسے سکیں گے۔"
خان رحمان نے منہ بنا کر کہا۔
"یہ بے چاری چھوٹی سی گڑبڑ کیا ہمارا راستا روک
لے گی۔"
آخر وہ اندر آئے — اسی وقت انسپکٹر جمشید نے دروازہ
کھول دیا —
"اندر آ جائیں — کھیل ختم ہو چکا ہے۔" ان کی آواز
سنائی دی —
"اس کا مطلب ہے — ہم لیٹ پہنچے۔" خان رحمان بولے۔
"نہیں — اس کھیل سے آپ کے بلانے کا کوئی تعلق
نہیں — میں مختصر طور پر آپ کو حالات سنا دیتا ہوں
تاکہ آپ ذہنی طور پر تیار ہوں۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی
بولے —

"ذہنی طور پر ہم پہلے ہی تیار ہیں — فکر کی ضرورت
نہیں۔" خان رحمان بولے۔
انھوں نے پہلے تو اکرام کو فون کیا، پھر انھیں حالات
سنائے — سیاہ فام نے ان کے سامنے ہچکی لی اور دم توڑ
دیا —
آخر اکرام پہنچ گیا — اور جس وقت وہ لاش کو لے
جانے لگا — وہ سیاہ ہونا شروع ہو گئی — لاش کے ناخن
سے زہریلی سوئی اُتار لی گئی —
"بے چاری سیاہ لاشیں۔" فاروق بڑبڑایا۔
"اس کا مطلب ہے — ہمیں اس باس کی تلاش میں افریقی
ریاست میں جانا ہو گا۔" خان رحمان بولے۔
"ہاں! لیکن اگر آپ لوگ کسی وجہ سے مصروف ہوں تو
میں آپ کو ساتھ لے جانے کے لیے دباؤ نہیں ڈالیں گے۔"
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" پروفیسر فوراً بولے۔
"چلیے خیر — ہاں! اس سیاہ فام سے گفت گو کے بعد
میں رشید خان اور شبیر خان سے چند سوال پوچھنے کی ضرورت
محسوس کر رہا ہوں — میں جلد لوٹ آؤں گا۔"
"ٹھیک ہے — آپ ہو آئیں — ہم لوگ تیاری کر لیتے ہیں۔"
"لیکن بھئی — جہاز پر سیٹیں بک کرانے کا مسئلہ بھی

ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ اس ریاست کی طرف جہاز روز
جاتا ہے یا نہیں۔" پروفیسر داؤد بول اُٹھے۔

"مجھے معلوم ہے۔ جہاز روزانہ جاتا ہے۔ اور آج کے
جہاز پر ہی سیٹیں مل جائیں گی۔ یہ کام آپ مجھ پر
چھوڑ دیں۔"

"یُوں تو ہم ہر کام آپ کے ذمّے چھوڑنے کے لیے
تیار ہیں۔" فارُوق مسکرایا۔

"اس صُورت میں تم افریقی ریاست میں نہیں جا سکو
گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اوہ! یہ تو نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہم بھی کچھ نہ کچھ
کرتے ہی رہیں گے۔" محمود نے گھبرا کر کہا اور انسپکٹر جمشید
مُسکراتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

"اس وقت تک سیاہ فام کی لاش کے علاوہ دو
لاشیں ہم دیکھ چکے ہیں۔ ایک سیاہ لاش افریقہ کی ریاست
میں بھی ملی تھی۔"

"اور دو اور کے ملنے کا امکان ہے۔"

"ارے باپ رے۔" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"باس رشید گوگی اور شبیر گوگی کو بھی کب چھوڑے گا

"اوہ!" پروفیسر گھبرا کر بولے۔

"تب تو پہلے ان کی حفاظت کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"
خان رحمان نے جلدی سے کہا۔

"شاید ابّا جان اسی سلسلے میں گئے ہیں۔"

"ایک اور مسئلہ ہے۔ اور وُہ یہ کہ دونوں بھائی شروع
سے ہی کچھ چھپا رہے ہیں۔ غالباً انہیں اس پُر اسرار شخص
سے دشمنی مول لینے کی وجہ اچھی طرح معلوم ہے۔ لیکن
وُہ یہ بات بتانے پر تیار نہیں۔ شاید ابّا جان انہیں
ایک بار پھر ٹٹولنا چاہتے ہیں۔"

"خیر بھئی۔ وُہ تو ٹٹول ہی لیں گے۔ تم یہ بتاؤ۔ کہ
ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"جی بس۔ سفر کی تیاری اور کیا۔"

"ہم اپنے طور پر تیاری کر کے آئے ہیں۔" پروفیسر داؤد
بولے۔

"آپ تیاری کا بھی غلط مطلب سمجھے ہیں۔ تیاری سے
مُراد جنگی تیاری ہے۔ شاید وہاں مقابلے کی صُورت پیش آ
جائے۔ اس لیے ہم اپنے ہتھیار ساتھ لے جانا پسند
کریں گے۔"

"ضرور ساتھ لے لو۔ تمہارے ان ہتھیاروں سے مجھے

بہت خوشی ہوتی ہے۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ ڈرائنگ روم سے جانے کے لیے مُڑے ہی تھے کہ فرزانہ کی نظریں ایک ننھی سی چیز پر پڑیں۔ وہ تیزی سے جھکی اور اس چیز کو اُٹھا لیا۔ محمود اور فاروق بھی اس چیز پر جھک گئے۔ انھوں نے دیکھا۔ وہ ایک سُرخ رنگ کا نگ تھا۔ جیسا انگوٹھیوں میں جڑا ہوتا ہے۔

"سیاہ فام کے ہاتھ میں کوئی انگوٹھی تو تھی نہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ہاں! ہم نے نہیں دیکھی۔" محمود بولا۔

"پھر۔ کیا یہ نگ اس کی کسی جیب میں تھا؟"

"بھلا ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ امکان یہی ہے۔ ابا جان نے اس کی جیبوں کی تلاشی بھی لی تھی۔ شاید یہ تلاشی کے دوران فرش پر گر گیا ہوگا۔ اور ان کی نظروں میں آنے سے بچ گیا ہوگا۔"

"یہ بات ذرا مشکل سے حلق سے اُترتی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کک۔ کون سی بات؟" خان رحمان نے گھبرا کر کہا۔

"یہی کہ نگ ابا جان کی نظروں میں آنے سے بچ گیا

ہو۔" فاروق بولا۔

"ہاں واقعی۔ وہ تو ننھی سے ننھی چیز کو بہت اہمیت دینے کے عادی ہیں۔"

"ان کے آنے پر ہی معلوم ہوگا۔" فاروق نے کہا۔

انھوں نے سُرخ نگ میز پر رکھ دیا اور اسے گھورنے لگے۔

انسپکٹر جمشید نے قدیر خان گوگی کے دروازے پر دستک دی۔ بارہ تیرہ سال کے ایک بچے نے دروازہ کھولا اور دبی آواز میں بولا:

"دونوں انکل ناراض ہو گئے ہیں۔ وہ آپ کی بھی کسی بات کا جواب نہیں دیں گے۔"

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"جی! ہم دروازوں پر دستک دے دے کر تھک گئے۔ وہ کوئی جواب نہیں دے رہے۔ ویسے تھوڑی دیر پہلے ان کے درمیان جھگڑا ہوا تھا۔ آپ زور زور سے لڑ رہے تھے۔ پھر اپنے اپنے کمرے میں بند ہو گئے جا کر۔ اور اب

دروازے ہی نہیں کھول رہے۔"

"لیکن ان کے کمروں کی کھڑکیاں تو باغ کی طرف کھلتی ہیں۔ آپ لوگوں نے اس طرف سے جا کر کیوں نہیں دیکھا؟" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔

"جی بس۔ یہی خیال کیا کہ انھوں نے کھڑکیاں بھی بند کر رکھی ہوں گی۔"

"ہوں! خیر۔ میں دیکھتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ صدر دروازے سے پچھلی طرف بڑھے۔ یہ دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا کہ دو کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ فوراً ایک کمرے کے اندر کود گئے۔ ان کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ شبیر خان گوگی کی سیاہ لاش بستر پر موجود تھی۔ اب وہ ساتھ والے کمرے کی طرف گئے۔ وہاں بھی منظر مختلف نہیں تھا۔

وہ سر تھام کر رہ گئے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ قاتل اس قدر جلد وار کرے گا۔ اب انھیں افسوس ہوا کہ انھوں نے ان کی حفاظت کا کوئی انتظام کیوں نہ کیا۔

انھوں نے دروازے اندر سے کھول دیے اور اس لڑکے سے بولے:

"لو بیٹا۔ میں نے دروازے کھول دیے۔ تم اپنے چچاؤں

سے آخری بار مل لو۔"

"اُف۔ یہ۔ یہ انھیں کیا ہوا؟"

"وہی۔ جو آپ کے ابو کو ہوا تھا۔ ان کی لاش بھی سیاہ ہو گئی تھی۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس نے کہا اور پھر تیزی سے آنسو بہانے لگا۔۔۔

"بیٹا۔ اپنی والدہ اور چچیوں کو اطلاع دیں۔ میں پولیس کو اطلاع دیتا ہوں۔"

فون کر کے وہ وہاں سے نکل آئے، اب رُک کر کیا کرتے۔ گھر پہنچے تو ان کا منہ لٹکا ہوا تھا:

"خیریت۔ آپ تو بہت جلد آ گئے۔"

"میں اور کیا کرتا۔ وہ دونوں بھی سیاہ لاشوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاہ فام پہلے اُدھر گیا، پھر ہماری طرف آیا۔ ارے۔ یہ کیا چیز ہے؟"

ان کی نظریں سُرخ نگ پر جم گئیں۔

"صرف ایک نگ ہے۔ فرش پر پڑا ملا ہے۔"

"لیکن یہ اس کی جیبوں میں تو نہیں تھا میں نے اچھی طرح تلاشی لی تھی۔" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"اور اس نے کوئی انگوٹھی بھی نہیں پہن رکھی تھی۔" محمود

نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ہے۔"

"تو پھر۔ یہ مگ یہاں کہاں سے آیا؟"

"لاش اُٹھا کر لے جانے والے عملے میں سے بھی تو کسی کا ہو سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ۔ واقعی۔"

"یہ کسی کا بھی ہو۔ ہم کیوں پریشان ہوں۔ یہ کوئی ایسی خاص چیز تو ہے نہیں۔ شیشے کا ایک مگ ہے۔ بس۔" خان رحمان نے بُرا سا منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ آگے بڑھ کر مگ اُٹھا لیا اور اس کے وزن کا اندازہ کرنے لگے، پھر آنکھوں کے سامنے کر کے اسے بغور دیکھا، آخر بولے:

"نہیں خان رحمان۔ یہ مگ شیشے کا نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ایم طاہر کو بُلانا ہو گا۔" وہ بولے۔ اور پھر فون پر نمبر گھمائے۔ سلسلہ ملنے پر انھوں نے کہا:

"ہاں! میں جمشید بول رہا ہوں۔ یہاں آپ کی ضرورت ہے۔ بس چند منٹ کے لیے چلے آئیے۔ میں خود آ جاتا۔

لیکن اس چیز کے لیے خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا۔ ادھر ان کا آخری جملہ سُن کر وہ چونک اُٹھے:

"آپ نے کیا کہا ابا جان؟"

"ہاں بھئی ۔۔ اس مگ کو لے کر میں گھر سے باہر جانا پسند نہیں کروں گا۔ تم تینوں فوراً گھر کے دروازے بند کر لو۔" ان کے لہجے سے گھبراہٹ ٹپک رہی تھی۔

"آخر اس مگ میں ایسی کیا بات ہے۔ ہمیں تو یہ بالکل معمولی سی چیز نظر آ رہی ہے۔"

"جب کہ میرے خیال میں اس مگ کی وجہ سے آج چار آدمی اس وقت تک مارے جا چکے ہیں۔ اوہ نہیں، چار نہیں۔ پانچ۔ سیاہ فام بھی تو اسی سلسلے میں مارا گیا ہے۔"

"یہ صرف آپ کا خیال ہے۔ یا اس خیال کی بنیاد کچھ اور ہے۔"

"نہیں۔ صرف میرا خیال ہے۔ جو غلط بھی ہو سکتا ہے۔ ایم طاہر آ کر فیصلہ کر دیں گے، فکر نہ کرو۔" انسپکٹر جمشید نے مُسکرا کر کہا۔

"اور یہ ایم طاہر کون ہیں۔ کیا جوہری ہیں؟"

"ہاں ؛ تم انھیں جوہری بھی کہ سکتے ہو ، لیکن دراصل زمین میں دفن شدہ چیزوں کے ماہر ہیں ، ان کا تعلق محکمہ آثارِ قدیمہ سے ہے۔"

"اب ہم سمجھ گئے ۔ لیکن آپ نے یہ اندازہ کس بنا پر لگایا کہ یہ کوئی بہت اہم نوعیت کی چیز ہے۔" فاروق نے کہا ۔

"اندازہ تو میں اندازوں کی بُنیاد پر ہی لگاتا ہُوں۔" وہ مُسکرائے ۔

"ایک اندازہ میرا بھی سُن لیں ابّا جان۔" فاروق بھی مُسکرا کر بولا ۔

"ضرور ۔ کیوں نہیں ۔" انسپکٹر جمشید یہ کہ کر اس کی طرف دیکھنے لگے ۔

"اس نگ میں کوئی خاص بات نہیں ۔ یہ سادہ لباس والوں میں سے کسی کا گرا ہو گا۔" اس نے کہا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ فرزانہ اس نگ کی موجودگی میں کیوں اُلجھن میں مبتلا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فرزانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیوں فرزانہ ۔ تم اُلجھن میں مبتلا ہو؟"

"ہاں ! اس لیے کہ میں ایک منٹ تک مسلسل اس کو غور

سے دیکھتی رہی ہوں اور میں نے ایک عجیب بات محسوس کی ہے۔" اس نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا ؟" وہ ایک ساتھ بولے ۔

"کیا کسی نگ کو پرکھوانے کا مسئلہ ہے۔" ایسے میں بیگم جمشید کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی ۔

"اوہ ۔ بیگم ۔۔ ہم تمہیں تو بھول ہی گئے ۔" انسپکٹر جمشید چونکے ۔

"کوئی نئی بات نہیں ۔ سُراغ رسانی میں محو ہو کر آپ مجھے بھول ہی جاتے ہیں۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"خیر ۔۔ ہم واقعی ایک نگ کے بارے میں اُلجھن کا شکار ہیں ۔ یہ رہا نگ ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور بیگم جمشید نے کچھ کہے بغیر نگ اُٹھا لیا ۔ چند سیکنڈ تک وہ اسے غور سے دیکھتی رہیں ۔ آخر کار انھوں نے کہا :

"یہ تو واقعی کوئی عام نگ نہیں ہے۔"

"چلو بھابی عام نہیں ۔ خاص تو ہو گا ۔ لیکن ہے کیا بلا؟" خان رحمان بولے ۔

"ہے تو نگ ہی۔" بیگم جمشید بولیں ۔

"خاص بات کیا ہے اس میں ، سوال تو یہ ہے۔" محمود بول اُٹھا ۔

"اب میرا دعویٰ ہے کہ یہ شیشے کا نگ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ شاید یہ ہیرے کا کوئی ٹکڑا ہے۔"

"کیا کہا۔ ہیرے کا ٹکڑا۔"

"ہاں! سُرخ یاقوت کا ٹکڑا۔" انھوں نے کہا۔

"خیر بھئی۔ اصل فیصلہ مسٹر ایم طاہر ہی آ کر کریں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور وہ آیا ہی چاہتے ہیں۔" فاروق نے کہا

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"لیجیے۔ وہ آگئے۔" فاروق نے جلدی سے کہا اور محمود دروازے کی طرف لپکا۔ بیگم جمشید فوراً باورچی خانے میں چلی گئیں۔

ایک منٹ بعد محمود ایک لمبے قد کے آدمی کے ساتھ اندر آیا۔

"آئیے مسٹر ایم طاہر۔ ہم نے آپ کو تکلیف دی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ میں تو ہر خدمت کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ اس نگ کو دیکھ رہے ہیں۔ بس ہم اس کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔"

ایم طاہر کی نظریں اُس نگ پر جم گئیں۔ پہلی نظر سرسری تھی، دوسری نظر چونکی ہوئی۔ اور پھر تو وہ یک دم اُس نگ پر جُھک گئے۔

اچانک اُن کے مُنہ سے نکلا:

"اُف مالک۔ یہ مَیں کیا دیکھ رہا ہُوں۔"

پرندے کا آنسو

"آپ سُرخ رنگ کا یہ نگ دیکھ رہے ہیں" فاروق نے گویا انہیں یاد کرایا۔

"نہیں نہیں۔ یہ سُرخ نگ نہیں ہے"

"تو پھر۔ یہ کیا ہے۔ سُرخ یاقوت۔ ہیرا؟" محمود نے کہا۔

"نہیں۔ یہ سُرخ یاقوت بھی نہیں ہے۔ ہیرا بھی نہیں ہے" ایم طاہر نے کہا۔

"ارے۔ تو پھر کیا ہے؟"

"ایک پرندے کا آنسو"

"پرندے کا آنسو۔ یہ۔ یہ آپ نے کیا کہ دیا؟"

"پہلے یہ بتائیے۔ یہ آپ کو ملا کہاں سے؟"

"کہانی ذرا لمبی ہے"۔

"اگر پورے ایک دن کی ہوگی، تب بھی میں سُنوں گا"

انھوں نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ لمحہ بہ لمحہ یہ نگ اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے"

"کوئی ایسی ویسی۔ ویسے سب سے پہلے آپ کو اپنے گھر کی حفاظت کا بندوبست کر لینا چاہیے" ایم طاہر نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس نگ کی تلاش میں ضرور کچھ لوگ ہوں گے — جوں ہی انھوں نے سُراغ لگایا کہ نگ یہاں ہے — وہ اس گھر پر ہلّہ بول دیں گے اور پھر کچھ نہیں سُنیں گے، نہ سوچیں گے"

"آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں" محمود نے کہا۔

"میں کوئی جوہری نہیں ہوں۔ آثارِ قدیمہ سے تعلق ہے میرا۔ زندگی کا بڑا حصّہ اس فن پر صرف کیا ہے۔ اس لیے آپ فوراً حفاظتی انتظامات کر لیں"

"تب پھر۔ سب سے پہلے تو نگ مجھے دے دیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں! یہ کیا بات ہوئی"

"میرے ہاتھ میں ہوگا تو مجھے اطمینان ہوگا"

"نہیں — یہ میرے ہاتھ میں ہی ٹھیک ہے — جب تک میں یہاں سے رخصت نہیں ہو جاؤں گا — نگ میرے ہاتھ میں رہے گا۔" ایم طاہر نے جلدی سے کہا۔

"اور اگر آپ اس کی حفاظت نہ کر سکے؟"

"جب تک یہ میرے ہاتھ میں ہے — بس اسی وقت تک محفوظ ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"ایسی چیزوں کی حفاظت بس وہی کر سکتا ہے — جو ان سے واقف ہو — اگر آپ مجھے نہ بلا لیتے تو یہ آپ کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔"

"ابھی تک کسی نے ایسی کوشش کی تو نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جو لوگ اس کی تلاش میں ہیں — ابھی انھیں یہ معلوم نہیں ہوگا — ورنہ اس وقت تک آ چکے ہوتے۔"

"آپ یہ بات اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ کچھ لوگ اس کی تلاش میں ہیں؟"

"یہ کسی کے پاس بھی کیوں نہ ہو — ہر زمانے میں کچھ لوگ اس کی تلاش میں رہتے ہیں۔"

"آخر کیوں! اس میں ایسی کیا بات ہے؟"

"یہ راز اتنی آسانی سے نہیں بتایا جا سکتا۔" ایم طاہر نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے — انسپکٹر جمشید کا ہاتھ مشینی انداز میں جیب میں رینگ گیا اور اس میں موجود پستول کے ٹریگر پر ان کی انگلی جم گئی — نال کا رخ ایم طاہر کی طرف ہو گیا —

"میں جانتا ہوں — میری بات سن کر آپ چونک اٹھے ہیں — لیکن میں آپ پر یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ایم طاہر ہی ہوں اور میری نیت میں کوئی فتور نہیں ہے — میں نگ کے بارے میں آپ کو بتا کر جاؤں گا، لیکن اس سے پہلے اس کی حفاظت کا انتظام ضروری ہے — ورنہ ہم سب کی زندگیوں کی خیر نہیں — اس نے نہ جانے اب تک کتنی جانیں لی ہوں گی۔"

"اس نے یا اس جیسے نگوں نے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"صرف اس نے — اس جیسا نگ پوری دنیا میں اور کوئی نہیں ہے — یہی تو اس کی اہمیت ہے۔"

"خیر — آپ کے اطمینان کے لیے میں حفاظتی انتظامات کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے دفتر فون کیا — وہاں اکرام موجود نہیں تھا — انھوں نے حوالدار محمد حسین آزاد کو ہدایات

دیں اور ریسیور رکھ دیا۔

"اب ہماری بے چینی بہت بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا بتانا شروع کریں۔"

"جب تک آپ کے آدمی نہیں آجاتے اور مکان کو چاروں طرف سے گھیر نہیں لیتے، اس وقت تک میں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ہر آن مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ اب اس کو تلاش کرنے والے آئے اور۔"

ایم طاہر کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اسی وقت دھم دھم کی کئی آوازیں گونج اٹھیں اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

"اس کی حفاظت کا اب صرف ایک ذریعہ رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ اس کو منہ میں رکھ لیا جائے۔ لیکن جو بھی اسے منہ میں رکھے گا۔ آن کی آن میں مر جائے گا۔"

"تب پھر حفاظت کس طرح ہو گی؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"لاش کا منہ نہیں کھل سکے گا۔ جب تک کہ آپریشن نہ کیا جائے۔"

"اوہ۔ کیا پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے؟"

"ہاں! لیکن پہلے حملہ آوروں کا کچھ کریں آپ۔"

"مہربانی فرما کر نگ مجھے دے دیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں۔ یہ مجھ سے نہ لیں۔"

"تو پھر بقول اپنے۔ اس کو منہ میں رکھ لیں۔"

"مجھے اپنی زندگی عزیز ہے۔"

"مجھے دے دیں، میں منہ میں رکھ لیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ایک قاتل زہر سے بھی زیادہ مہلک ہے۔"

"ہوگا۔ لیکن اگر اللہ کو میری زندگی ابھی منظور ہے تو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

"تت۔ تو آپ اسے منہ میں رکھنے کے لیے تیار ہیں۔" ایم طاہر نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل! اگر اس کی حفاظت اس طریقے کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتی تو پھر یہی سہی۔"

عین اسی وقت قدموں کی تیز آواز گونجی، پھر دروازے کو ٹھوکر لگی اور چھ غنڈے اندر داخل ہوئے ان سب کے رنگ سیاہ تھے۔

"وہ نگینہ کہاں ہے؟"

"دیکھا — میں نے کہا تھا نا — اس کو تلاش کرنے والے، زمانے میں ہوتے ہیں۔" ایم طاہر نے کہا۔

"آخر کیوں؟" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس لیے کہ یہ نگینہ نہیں — ایک پرندے کا آنسو ہے، اس کی تاریخ ہزاروں سال پرانی ہے — ایک نبی نے جب صبر کی انتہا کر دی تو اسے دیکھ کر ایک پرندہ رو دیا، لیکن اس کی آنکھ سے صرف ایک خون کا قطرہ نیچے گر سکا — اور گرتے ہی نگینہ بن گیا۔"

"ہم یہاں یہ کہانی سننے نہیں آئے — نگینہ ہمارے حوالے کر دو۔" حملہ آوروں میں سے ایک نے کہا — ان سب کے ہاتھوں میں ننھے ننھے خنجر تھے — اور وہ ان کو پھینک مارنے کے لیے بالکل تیار تھے — ان کے تیور بھی بہت خوف ناک تھے — یوں لگتا تھا جیسے غصے میں پھنکار رہے ہوں —

"لیکن یہ لوگ کہانی سننا پسند کرتے ہیں۔"

"تم انھیں بعد میں کہانی سناتے رہنا — نگینہ ہمیں دے دو۔" دوسرا حملہ آور طنزیہ لہجے میں بولا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں انسپکٹر صاحب؟"

"میں اب کیا کہوں گا — سب کچھ تو آپ کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ اس نگینے کی حفاظت کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اس کو منہ میں رکھ لیا جائے، لیکن منہ میں رکھنے والا آدمی زندہ نہیں بچتا — کیوں کہ یہ کسی مہلک زہر سے بھی خطرناک ہے — سوال یہ ہے کہ منہ میں رکھے بغیر اس کی حفاظت ممکن کیوں نہیں — آخر یہ ہم سے نگینہ کس طرح چھین سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ نے شاید ان کے ہاتھوں میں پکڑے خنجروں کو نہیں دیکھا — یہ پستول کی گولی سے زیادہ رفتار سے خنجر پھینکتے ہیں — ہیں بھی چھے عدد — ان حالات میں ہم نگینہ کس طرح ان سے بچا سکتے ہیں — ہاں جان دے کر ضرور اسے بچایا جا سکتا ہے — اس صورت میں یہ حاصل نہیں کر سکیں گے — کیوں کہ اس طرح انھیں میری لاش اٹھا کر لے جانا ہو گی — لاش یہ یہاں سے لے جا نہیں سکیں گے، کیوں باہر پولیس آنے والی ہے — آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں نے جو کہا تھا — وہی ہو رہا ہے۔"

"ہاں! ان حالات میں تو یہ بات ماننا ہو گی۔"

"اس لیے میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ اب کیا کیا

جائے۔ آپ چاہیں تو ہم بھی اس کے لیے جان دے سکتے ہوں، لیکن پھر آپ کو تمام زندگی میرے گھر کی ذمے داری اپنے سر لینا ہو گی۔"

"نہیں! ہم ایک نگینے کے لیے انسانی جان ضائع نہیں کرا سکتے۔ انسانی جان اس نگینے سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"لیکن یہ جان لیں۔ کہ اس نگینے کے ذریعے حکومت حاصل ہو سکتی ہے۔"

"کیا کہا۔ حکومت حاصل ہو سکتی ہے۔ میں سمجھا نہیں۔" انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے۔

"جس کے پاس بھی یہ نگ ہو گا۔ اسے حکومت ضرور ملے گی۔"

"کیا بکواس ہے۔ ہم ایسی باتوں کو نہیں مانتے۔ سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جس کو چاہے، جو چاہے عطا کر دے۔ کسی نگینے میں یہ طاقت کیسے ہو سکتی ہے۔"

"اب تک یہ جس کے پاس بھی رہا، وہ اپنے علاقے کا حکمران ضرور بنا۔ یہ ایک ایسی تاریخی حقیقت ہے جس کو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"اگر ایسی کوئی بات ہوتی رہی ہے۔ تو بھی میں اسے اتفاق ہی کہوں گا۔ اسے اس نگ کا کمال ہرگز نہیں کہوں

تھا۔ آپ مہربانی فرما کر نگینہ انہیں دے دیں۔"

"کیا کہا۔ نگینہ انہیں دے دوں۔ گھر آئی حکومت کو ٹھکرا رہے ہیں۔" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"تو اور کیا کریں۔ یہ خنجر اپنے جسموں میں اتروانے سے بہتر ہے۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔ اس وقت نگ آپ کی ملکیت ہے۔ اگر میری ملکیت ہوتا تو ہرگز ان کے حوالے نہ کرتا۔"

"تو کیا خنجر اپنے جسم میں اتروا لیتے آپ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! بالکل۔"

"حیرت ہے۔ پھر آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوتا۔"

"میں اسی حالت میں مر جاتا۔ مجھے دفن کر دیا جاتا۔ لیکن میں دوسرا جنم لیتا اور اس جنم میں بادشاہ ضرور بنتا، کیوں کہ یہ نگینہ میرے جسم کا حصہ بن چکا ہوتا۔"

"کیا یہ بھی کہانی کا حصہ ہے؟"

"ہاں! اس کے بارے میں یہ تمام روایات تحریری طور پر ملتی ہیں۔"

"حیرت ہے۔ میں نے آج تک نہیں پڑھا اس کے متعلق۔"

"زندگی نے مہلت دی تو آپ کو دکھاؤں گا۔ بہت پرانی

کتاب ہے۔ شاید کئی سو سال پرانی۔ زبان بھی انجانی ہے،
تاہم اس زبان کو جاننے والے بھی ایک دو آدمی ہمارے
شہر میں موجود ہیں۔ میں نے ان سے پڑھوائی تھی۔"

"میری حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے
کہا۔

"اور ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔" ایک حملہ آور
نے کہا۔

"سب سے پہلے تو آپ نگینہ انھیں دے دیں۔"

"دے دوں۔" ایم طاہر نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں ہاں! دے دو — اب تک آپ نے نگینے کی جو
خاصیتیں بتائی ہیں، ان کی بنا پر اس کے لیے جان نہیں
دی جا سکتی اور نہ کوئی خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" ایم طاہر نے
کندھے اچکائے اور اپنی ہتھیلی آگے کر دی۔ اس پر
رکھا ہوا نگینہ چمک رہا تھا۔

"شکریہ!" حملہ آور بولا اور نگینہ اٹھا لیا۔

"اب ہم چلیں گے۔ آپ لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔
آج ہماری مدتوں کی آرزو پوری ہو گئی۔"

"لیکن تم تو چھے ہو۔ نگینہ تم میں سے کون رکھے گا۔"

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہیں — یہ میرے وزیر ہوں گے۔" اس نے ان پانچوں
کی طرف اشارہ کیا۔

اور پھر وہ واپس مڑے۔ اور گھر سے نکل گئے۔

"یہ آپ نے کیا کیا ابا جان۔ اس نگینے کی کوئی حقیقت
تھی یا نہیں — لیکن انھوں نے ہمارے گھر میں غیر قانونی
طور پر داخل ہو کر ہم پر خنجر تو تانے تھے۔"

"کوئی بات نہیں — ایسا بھی ہوتا ہے۔ ویسے نگینے کی
کہانی تھی دل چسپ۔" وہ مسکرائے۔

"حیرت اس بات پر ہے کہ وہ ہمارے گھر میں آیا کہاں
سے تھا۔ کیا وہ اس پہلے سیاہ فام کے پاس تھا۔ اور کیا
وہ اس سے پہلے قدیر خان گوگی کے پاس تھا۔ یا اس کے
کسی بھائی کے پاس۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"میرے خیال میں، اب میرا یہاں کوئی کام نہیں رہا۔"
ایم طاہر نے گویا انھیں احساس دلایا۔

"اوہ ہاں — آپ کو بہت زحمت دی ہم نے۔ آپ نے ہمارا
پورا پورا ساتھ بھی دیا۔ اس لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں،
تشریف لے جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ — کوئی بات نہیں۔" انھوں نے کہا اور کمرے سے

نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد چند سیکنڈ تک خاموشی رہی۔ پھر فاروق نے کہا:

"سارا معاملہ اُلجھ کر رہ گیا ہے۔ پتا نہیں کیا چکر ہے۔"

"ہم شروع سے جائزہ کیوں نہ لے لیں۔" فرزانہ نے تجویز پیش کی۔

"ضرور۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"

"تو پھر یہ کہانی مجھے سُنانا ہو گی، کیوں کہ قدیر خان گوگی میرے دفتر میں آیا تھا۔ یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ ہی شروع کر لیں۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

"میں بہت مختصر طور پر بیان کروں گا۔ قدیر خان گوگی میرے دفتر آیا تھا۔ اس نے ایک عجیب بات کہی۔ یہ کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا ہے، لیکن وہ بے گناہ ہے۔ اور یہ کہ میں اس کو بے گناہ ثابت کر سکتا ہوں، اس سے پہلے کہ وہ تفصیل سُناتا، اسے ایک ہچکی آئی اور مر گیا۔ ایمبولینس کے ذریعے اس کی لاش مُردہ خانے بھجوا دی گئی، پھر ہم اس کے گھر گئے۔ وہاں اس کے بھائیوں

سے مُلاقات ہوئی۔ معلوم ہوا۔ یہ لوگ افریقہ کی ایک ریاست میں رہتے تھے۔ وہاں انھوں نے کسی سے دشمنی مول لے لی تھی۔ انھوں نے کچھ چھپانے کی بھی کوشش کی۔ آخر ہم نے افریقی ریاست جانے کا پروگرام بنایا۔ ایسے میں پہلا سیاہ فام ہم سے آ ٹکرایا۔ اس سے کافی باتیں ہوئیں۔ اور آخر اس نے بھی خودکشی کر لی۔ اب اس کی لاش بھی مردہ خانے میں پہنچ چکی ہے۔ ادھر قدیر خان کے دونوں بھائی بھی مر چکے ہیں۔ ان حالات میں وہ نگینہ ہمیں یہاں پڑا ملتا ہے۔ میں آثارِ قدیمہ کے ماہر ایم طاہر کو بُلا لیتا ہوں۔ ایم طاہر نگینے کی ایک حیرت انگیز کہانی سُناتے ہیں۔ اس دوران چھ سیاہ فام حملہ آور ہوتے ہیں اور نگینہ لے جاتے ہیں۔ بس کُل کہانی یہ ہے۔ اب تم اس کہانی پر تبصرہ کر سکتے ہو۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"اس پورے کیس میں عجیب ترین بات یہ ہے کہ یک نہ شد۔ سات شد۔ سیاہ فام کہاں سے ٹپک پڑے۔ ایک سیاہ فام تو چلو منظرِ عام پر آیا تھا، پھر اچانک چھ اور آ گئے۔ کیا ہمارے شہر میں آج کل بہت سیاہ فام آئے ہوئے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"یہ بات شہر میں گھومتے پھرتے تو محسوس ہوئی نہیں۔"
"دُوسرے یہ کہ قدیر خان گوگی کی کہانی بہت عجیب تھی، میں فوراً ان کے گھر جانے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے بعد تو اس کہانی کے عجائبات زیادہ ہی ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اب پرندے کا آنسو بھی شامل ہو گیا۔ لہٰذا ہم سوائے چکر پر چکر کھانے کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ویسے ابا جان۔ ہم تو افریقی ریاست جانے کا پروگرام بنا چکے تھے۔"
"ہاں! باس کی تلاش میں ہمیں شاید وہاں بھی جانا ہو گا۔ یہ چکر کافی بڑا معلوم ہوتا ہے۔"
"اللہ اس کو چھوٹا کرے۔" فارُوق نے فوراً کہا۔
"اور ہم تو بالکل تیار ہو رہے تھے۔ کیا اب ایک آدھ دن ٹھہر کر چلیں گے؟"
"ہاں! اس نگ کی وجہ سے شاید ہمیں ٹھہرنا پڑے۔"
"تب تو بھئی ہمیں اجازت دو۔" پروفیسر بولے۔
"ہاں اور کیا۔" خان رحمان بولے۔
"اجازت تو نہیں ملے گی۔ کیا خبر ہمیں کس وقت روانہ ہونا پڑے۔"
عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

بیجے۔ حوالدار محمد حسین آزاد صاحب اب تشریف لائے
جب چڑیاں کھیت چگ گئیں۔" محمود نے منہ بنایا۔
اس میں اس کا کیا قصور۔ فون کیے دیر ہی کتنی
ئی ہے۔"
محمود نے دروازہ کھول دیا۔
سب خیریت تو ہے نا محمود صاحب۔" محمد حسین آزاد نے

جی ہاں! اب تو خیریت ہے۔ جس وقت آپ کو فون
تھا، اس وقت خیریت صاحبہ ذرا چھٹی پر چلی گئی تھیں۔"
کون چھٹی پر چلی گئی تھیں۔" محمد حسین آزاد نے حیران ہو کر
شاید وُہ بے دھیان کھڑا تھا۔
خیریت صاحبہ۔"
اوہ سمجھا۔ خیر۔ مجھے کیا کرنا ہے۔"
کچھ کرنے کا وقت گزر چکا۔ اب آپ کو واپس تشریف
جانا ہے۔"
جی بہتر۔ انسپکٹر صاحب کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔"
ضرور۔ کیوں نہیں۔"
اسے رُخصت کر کے وُہ اندر آیا تو فون کی گھنٹی بج
انسپکٹر جمشید نے ریسیور اُٹھایا۔ اور پھر دُوسری طرف کی

بات سُننے لگے۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی نظر آئیں۔
اور وہ کوئی اہم خبر سُننے کے لیے تیار ہو گئے۔ پھر انھوں
نے ریسور رکھتے ہوئے کہا:
"لو بھئی۔ نئی خبر سُنو۔ مُردہ خانے سے سیاہ لاشیں غائب
ہو گئی ہیں۔"
"کیا!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

خبروں کی بُو

چند لمحے تک وہ ایک دُوسرے کی طرف حیرت زدہ
ںداز میں دیکھتے رہے، پھر فارُوق نے بڑبڑانے کے انداز
یں کہا:
"نہ جانے، ان لاشوں کو کیا ہو گیا ہے۔ دیکھتے بھالے
غیر غائب ہو جاتی ہیں۔ ہے کوئی تُک؟"
"تُک تو تمھاری بات کی بھی نہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو
ے جا نہ ہوگا کہ تمھاری بات کی بھی کوئی کل سیدھی نہیں۔"
رزانہ نے منہ بنایا۔
"میں اپنی بات کی بات کر رہا ہُوں، اونٹ کی نہیں۔"
اُروق نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔
"ایم طاہر کی باتوں نے مجھے اُلجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔
ں کی باتیں کچھ اوٹ پٹانگ سی بھی تھیں۔ پرندے کے
نسو سے بننے والے موتی کی بات میں نے آج تک نہیں

سُنی " انسپکٹر جمشید نے جیسے ان کی کوئی بات سُنی ہی نہیں۔
" لیکن وُہ تو پہلے سے آپ کے واقف ہیں" محمود نے کہا۔
" یہی بات تو مجھے اُلجھن میں ڈال رہی ہے" انھوں نے مسکرا کر کہا۔

" جی کیا مطلب؟" وُہ چونک اُٹھے۔

" میں پہلے ہی اس سے واقف ہوں۔ یہ بات ضرور کسی اور کو بھی معلوم تھی۔ لہٰذا۔" وُہ کہتے کہتے رُک گئے۔

" لہٰذا کیا۔ آگے بھی تو کہیے۔ ہم بے چینی محسوس کر رہے ہیں"

" آؤ بھئی۔ ہمیں ایم طاہر کے گھر جانا ہوگا" وُہ جلدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

" یہ کیا بات ہوئی۔ ابھی ابھی تو وُہ یہاں سے گئے ہیں۔"

" ہاں! مجھے ایک زور دار خیال آیا ہے"

وُہ اسی وقت ایم طاہر کے گھر پہنچے۔ دستک کے جواب میں انھوں نے خود ہی دروازہ کھولا۔ اور پھر ان کا رنگ اُڑ گیا:

" م۔ مجھے ایک فی صد بھی امید نہیں تھی کہ آپ اتنی جلدی یہاں آ جائیں گے"

" گویا آپ کو ہمارے آنے کی اُمید ضرور تھی"

" ہاں! میرا خیال تھا۔ شاید ایک دو دن بعد آپ آئیں"

" آپ نے ہمیں جھوٹی کہانی کیوں سُنائی؟"

" م۔ میں۔ میں کیا کرتا" وُہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

" کیا مطلب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

" بعض اوقات انسان اس حد تک مجبور ہو جاتا ہے کہ کہیں کا نہیں رہتا"

" آپ صاف صاف بتائیں۔ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

" آپ کا فون آنے سے دو گھنٹے پہلے میرے فرشتوں کو بھی اس سُرخ موتی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا"

" کیا!" وُہ ایک ساتھ بولے۔ خان رحمان اور پروفیسر داؤد کی آنکھیں تو حیرت سے پھیل گئیں۔

" ہاں! پھر میرے پاس دو سیاہ فام آئے۔ اور انھوں نے پہلے مجھے ایک خوف ناک خبر سُنائی۔ اس قدر خوف ناک کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے"

" کون سی خبر؟" فرزانہ بولی۔

" انھوں نے بتایا کہ میری چھے سالہ بچّی ان کے قبضے میں ہے۔ اور اگر میں نے ان کی ہدایات پر عمل نہ کیا

تو بچی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ میرے ہوش اُڑ گئے۔ آخر میں نے لرزتی آواز میں ان سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتے ہیں، اس پر انھوں نے کہا۔ جلد ہی ایک شخص انسپکٹر جمشید کا فون ملے گا۔ فون پر جو کچھ کہا جائے۔ اس کو سُن کر اور اچانک کر ریسیور رکھ دیا جائے۔ اور پھر بتایا جائے کہ کیا کہا گیا ہے۔

میں انتظار کرنے لگا۔ آخر آپ کا فون ملا، میں نے فون سُن کر ریسیور رکھ دیا اور انھیں بتایا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اب انھوں نے مجھے بتایا کہ آپ مجھے ایک سُرخ رنگ کا بگ دکھائیں گے۔ اور اس کی حقیقت معلوم کریں گے۔ چنانچہ اس بگ کو دیکھ کر حد درجے حیرت اور جوش ظاہر کیا جائے۔ پھر اس کے بارے میں ایک پُراسرار ترین کہانی آپ کو سُنائی جائے۔ اور کہانی سُنا کر واپس آ جایا جائے۔ اس صورت میں بچی بحفاظت واپس مل جائے گی۔ ورنہ اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ آپ خود غور کریں۔ میں وہ اوٹ پٹانگ کہانی نہ سُناتا تو اور کیا کرتا۔" یہاں تک کہ کر ایم طاہر خاموش ہو گئے۔

"بہت اچھا کیا آپ نے۔ کیا بچّی واپس مل چکی ہے؟"

"ہاں! تھوڑی دیر پہلے ہی ایک راہگیر چھوڑ گیا ہے۔"

"چلیے۔ شکر کیجیے۔ سستے چھوٹ گئے۔ ان لوگوں کو تو میں دیکھ لوں گا۔"

"لیکن ایک اور بھی تو غلط بات ہو گئی ہے۔"

"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ کہ جب میں یہاں آیا تو کئی اخباری رپورٹر آدھمکے۔ نہ جانے انھیں کس طرح اطلاع مل گئی تھی۔ پہلے تو میں گھبرا گیا، لیکن جب انھوں نے بچّی کے بارے میں ایک سوال بھی نہ پوچھا۔ اور صرف اس بگ کے بارے میں سوالات کرتے رہے تو میں نے سکون کا سانس لیا۔ ویسے مجھے حیرت ہے کہ انھیں اس معاملے کا کس طرح پتا چل گیا تھا۔"

"اس میں ذہن کو اُلجھانے کی ضرورت نہیں۔ اخباری رپورٹر خبروں کی بُو سونگھنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ ان سے ایک غلطی بہر حال ہو چکی ہے۔ اور اس غلطی کی بنا پر ہی میں اس قدر جلد یہاں پہنچ گیا ہوں۔"

"غلطی۔ جی کیا مطلب؟"

"ہمارا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہیں۔ آپ اخبارات میں تفصیلات پڑھ ہی لیں گے۔ آؤ بھئی چلیں۔"

جُوں ہی وہ باہر نکلے۔ فرزانہ نے پُوچھا:

"وہ غلطی کیا ہے ابا جان؟"

"غلطی کہہ لو یا غلط منصوبہ بندی۔ اس پوری کہانی میں یہ بہت کمزور پہلو ہے۔"

"آخر کیا؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ساری کہانی سننے پر صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ سارا چکر اس سُرخ نگ کے لیے چلایا گیا ہے۔ اصل مسئلہ سُرخ نگ کو حاصل کرنے کا تھا، لیکن۔ سُرخ نگ حاصل کرنے کے بعد تو ان لوگوں کو یوں ہی روپوش ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن۔ وہ غائب نہیں ہوئے۔ بلکہ انھوں نے اپنا کام جاری رکھا اور اس سلسلے میں پہلے ایم طاہر کی بچّی کو اغوا کیا گیا، تاکہ وہ ہمارے ہاں پہنچ کر اوٹ پٹانگ کہانی سُنائے۔ سوال یہ ہے کہ جب سیاہ فام سُرخ نگ کو حاصل کر چکا تھا تو وہ ہمارے ہاں کیوں آیا۔ اسے کیا ضرورت تھی۔ اور اگر آ ہی گیا تھا تو خودکشی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ سُرخ نگ اسی کے پاس موجود تھا۔ اس قدر اہم چیز۔ جس کو حاصل کرنے کے سلسلے میں انسانی جانیں تک داؤ پر لگا دی جائیں۔ وہ ساتھ کیوں لیے پھر رہا تھا اور کیا خودکشی کے وقت اسے معلوم نہیں تھا

کہ سُرخ نگ اس کے پاس موجود ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے خودکشی کر لی۔ یہیں میں چونکا تھا اور فوری طور پر میں نے ایک اندازہ لگایا۔ کیوں، کیا خیال ہے؟" وہ مسکرائے۔

"اور آپ نے کیا اندازہ لگایا؟" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"ہم گھر چل رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ آپ نے یہ اندازہ لگایا کہ ہم گھر چل رہے ہیں۔" فارُوق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں۔ اندازے کی بات گھر چل کر۔"

"اوہ اچھا۔"

گھر پہنچے تو دروازہ کھُلا نظر آیا۔

"الٰہی خیر۔" محمود بڑبڑایا۔

وہ دستک دیے بغیر ہی دبے پاؤں اندر داخل ہو گئے، ڈرائنگ روم کا دروازہ بھی کھُلا ہوا تھا۔ ان کے قدم خود بخود اُٹھنے لگے۔ دروازے پر پہنچتے ہی کئی آوازیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں:

"لیجیے۔ وہ پہنچ گئے۔"

اور وہ حیران رہ گئے۔ ڈرائنگ روم اخباری نمائندوں سے بھرا ہوا تھا۔

★

"خیریت تو ہے جناب۔ آپ لوگ کیسے تشریف لائے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"لیجیے۔ اس قدر زبردست وارداتیں ہو گئیں اور ہم آتے بھی نہ" ایک رپورٹر بولا۔

"کس قدر زبردست۔ ذرا ہم بھی تو سُنیں۔" وہ مسکرائے۔

"کیا آپ نے یہ خبر نہیں سُنی کہ مُردہ خانے سے سیاہ لاشیں غائب ہو چکی ہیں۔"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ بولے۔

"اور وہ سیاہ فام لوگ یہاں بھی موجود تھے۔ ایک نے تو یہاں خودکشی بھی کی تھی۔"

"ہاں! بالکل!"

"تو جناب۔ ان حالات میں بھلا ہم یہاں کیوں نہ پہنچتے۔"

"ہُوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ خیر۔ آپ پُوچھیے۔ کیا پُوچھنا چاہتے ہیں۔ ویسے تو آپ لوگ ایم طاہر صاحب سے مل ہی چکے ہیں۔"

"جی ہاں! لیکن جو باتیں آپ ہمیں بتا سکتے ہیں۔ وہ نہیں بتا سکے۔"

"پہلے میرے ایک سوال کا جواب دے دیں۔ آپ کو ان معاملات کا علم کس طرح ہوا؟"

"دیکھیے جناب۔ یہ ہمارا پیشہ وارانہ راز ہے۔" ایک رپورٹر نے فوراً کہا۔

اور وہ کندھے اُچکا کر رہ گئے۔ اب انھوں نے تابڑتوڑ سوالات کیے۔ وہ بیس منٹ تک ان کے سوالات کی زد میں رہے۔ آخر وہ لوگ رُخصت ہو گئے۔

"اب کل اخبارات میں سُرخیاں جمی ہوں گی۔" خان رحمان نے کہا۔

"یہ سوچو خان رحمان کہ پھر کیا ہوگا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا ہوگا۔"

"کمزور اعتقاد کے دولت مند ترین لوگ۔ جو پہلے ہی حکومت کرنے کے خواب دیکھتے رہے ہوں۔ کیا ایسے ننگ کا ذکر پڑھ کر بے چین نہیں ہو جائیں گے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"کوئی ایسے ویسے بے چین۔ ایسے لوگوں کی تو راتوں کی نیند اُڑ جائے گی۔" پروفیسر بولے۔

"ضرور اُڑ جائے گی، لیکن ہم پُرسکون نیند سوئیں گے۔"

فاروق بولا۔
"گویا۔ فی الحال افریقی ریاست جانے کا پروگرام ختم؟"
"ہاں! نگ کا باس یہیں کہیں موجود ہے۔ اس کے لیے ہمیں ملک سے باہر جانے کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ اب ہمیں کل کے اخبارات میں خبریں شائع ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔"
"سُرخ نگ اس وقت سیاہ فاموں کے پاس ہے۔ سوال یہ ہے کہ نگ کے خریدار سیاہ فاموں کا پتا کس طرح معلوم کریں گے؟"
"اس کے لیے بھی وہ کوئی چکر چلائیں گے۔"

دُوسرے دن کے اخبارات نے واقعی نگ کے بارے میں تمام تفاصیل کو بڑی بڑی سُرخیوں کے ساتھ شائع کیا۔ عام طبقہ جہاں اس کے بارے میں پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا، وہاں دولت مند ترین طبقہ بُری طرح بے قرار ہو گیا۔ ہر کوئی اس نگ کو خریدنے کی خواہش اپنے اندر محسوس کرنے لگا۔ لیکن ان کی اصل بے چینی یہ تھی کہ ان سیاہ فاموں کا سُراغ کس طرح لگایا جائے۔ اس سلسلے میں دولت مند ترین لوگ تمام دن ایک دُوسرے کو فون کرتے رہے۔ پھر شام کے وقت ایک پبلک پارک میں ایک سیاہ فام

کو گھومتے دیکھا گیا۔ کسی دولت مند ترین آدمی کے مُلازم نے اسے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ اس نے فون کر دیا۔ ادھر دولت مند ترین لوگوں کے مُلازم ایک دُوسرے کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس طرح دُوسروں کو بھی اس سیاہ فام کی موجودگی کی خبر ہو گئی۔ لمبی لمبی کاریں اس پارک کی طرف دوڑ پڑیں۔ اچانک سیاہ فام اُٹھا۔ پارک سے باہر نکلا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہو گیا۔ لمبی کاریں اب اس کی ٹیکسی کے تعاقب میں روانہ ہو گئیں۔ ان حالات میں یہ کس طرح ممکن تھا کہ انسپکٹر جمشید کے سادہ لباس والے اس سیاہ فام سے بے خبر رہتے۔ وہ تو ذہنی طور پر پہلے ہی تیار تھے کہ سیاہ فام ایسا کوئی طریقہ اختیار کریں گے، لہٰذا اب وہ بھی تعاقب میں تھے۔ لیکن غیر محسوس طور پر۔ صرف ایک سادہ لباس والا ان لمبی کاروں سے بھی آگے ٹیکسی کے تعاقب میں تھا۔ اور وائرلیس پر انھیں خبریں دے رہا تھا۔

یہ سفر بہت طویل ثابت ہوا۔ کئی گھنٹے گزر گئے۔ تعاقب کرنے والے پریشان ہو گئے، لیکن سفر ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ لوگ خیال کرنے لگے۔ کہیں انھیں الّو تو نہیں بنایا جا رہا۔ لیکن پھر ٹیکسی ایک جنگل

ہیں۔ بہت پرانے ایک کھنڈر کے سامنے رکی۔ کھنڈر کسی حویلی کا تھا۔ تعاقب کرنے والے چونکہ کافی فاصلے پر تھے۔ اس لیے ٹیکسی سے سیاہ فام کو اترتے نہ دیکھ سکے۔ جب سادہ لباس والے کی کار اور دوسری لمبی کاریں ٹیکسی کے پاس پہنچیں تو سیاہ فام کے ساتھ ٹیکسی ڈرائیور بھی غائب تھا۔

کاریں آ آ کر رکنے لگیں، لوگ اتر اتر کر کھنڈر کا جائزہ لینے لگے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ سادہ لباس والے کی چھوٹی سی کار کو دولت مندوں نے حقارت کی نظروں سے دیکھا، ایک سے رہا نہ گیا، بول اٹھا:

"آپ بھی سُرخ نگ خریدنے آئے ہیں؟"

"نہیں۔ میں صرف اسے دیکھوں گا" وہ مسکرایا۔

"میرا خیال ہے۔ آپ نے اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ آپ واپس چلے جائیں"

"ہاں بالکل۔ یہ آپ کے بس کا روگ نہیں۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ واپس چلے جائیں" دوسرا بولا۔

"میرے یہاں ٹھہرنے سے آپ کو کیا فرق پڑ رہا ہے"

"کیا خبر۔ وہ لوگ آپ کی وجہ سے سامنے نہ آ رہے ہوں" تیسرا بولا۔

"اوہ!" سادہ لباس والا چونک اٹھا۔

"ضرور یہی بات ہے۔ آپ چلے جائیں۔ چلے جائیں" وہ سب کے سب چلّائے۔

اور پھر سادہ لباس والا گھبرا کر وہاں سے چلا گیا۔ دولت مندوں نے اس کے پیچھے قہقہے لگائے۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد سیاہ فام کھنڈر میں نمودار ہوا اور بلند آواز میں بولا:

"ہم اس کے جانے کا انتظار کر رہے تھے۔ دراصل وہ غلط آدمی تھا"

"کیا کہا۔ غلط آدمی" دولت مند چلّائے۔

"ہاں! وہ کوئی جاسوس تھا"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"لیکن آپ لوگ فکر نہ کریں۔ اس کھنڈر کی حفاظت کا ہم نے انتظام کر رکھا ہے۔ جوں ہی کوئی غلط آدمی اس میں داخل ہوگا۔ ہمیں پتا چل جائے گا اور وہ ہم تک نہیں پہنچ سکے گا"

"آخر کیسے؟" ایک دولت مند بولا۔

"بس۔ اس کھنڈر سے ہم بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ آپ لوگ میرے پیچھے آ جائیں"

وہ سب ایک قطار میں اس کے پیچھے چلنے لگے۔ انھیں

اونچی، نیچی اور کھائی کی قسم کی جگہوں سے گزرنا پڑا۔ تب کہیں جاکر وہ ایک صاف ستھرے کمرے میں داخل ہو گئے۔

"اب اس کمرے تک کوئی نہیں پہنچ سکے گا۔ باہر سے اس کا سراغ لگانا بہت مشکل ہے" سیاہ فام نے کہا۔

اب دولت مندوں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ وہاں سات سیاہ فام موجود تھے۔ ان کے علاوہ چار آدمی اور تھے۔ ان چاروں کے چہروں پر نقاب تھے۔

"اس کا مطلب ہے۔ شہر کے دولت مند ترین لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں" ایک نقاب پوش نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے" ان میں سے ایک نے کہا۔

"اور آپ سب اس نگ کو خریدنے کے لیے آئے ہیں"

"بالکل!" انھوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ ہمیں نگ کی نیلامی کرنا ہو گی"

"ہاں ٹھیک ہے۔ ہمیں منظور ہے۔ جو زیادہ قیمت دے سکے گا۔ وُہی اس کا مالک ہو گا"

"اور رقم کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہو گا؟"

"ہم سب کے اپنے مُلک سے باہر دُوسرے تمام بڑے بڑے ممالک میں اکاؤنٹ ہیں، ان بنکوں کے چیک آپ کو دے دیے جائیں گے۔ آپ مُلک سے باہر جاکر چیک کو

کیش کرا سکتے ہیں"

"اور اس بات کی کیا ضمانت ہو گی کہ چیک کیش ہو جائے گا"

"ہم جانتے تھے۔ یہ سوال کیا جائے گا۔ اسی لیے ہم نے ٹریولرز چیک منگوا لیے ہیں آپ لوگ فکر نہ کریں"

"ہم ان چیکوں کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے"

"ضرور۔ کیوں نہیں"

ان سب نے ٹریولرز چیک نکال نکال کر دکھا دیے۔

"گویا اس وقت اربوں روپے کی دولت یہاں موجود ہے، اور ہم نہایت آسانی سے اس ساری دولت کے مالک بن سکتے ہیں" ایک نقاب پوش نے کہا۔

"ساری دولت کے نہیں۔ ہم میں سے کسی ایک کی" ایک دولت مند نے مُسکرا کر کہا۔

"نہیں بھئی۔ ہم اتنے بے وقوف نہیں"

"کیا مطلب؟" وُہ ایک ساتھ چلائے۔

"یہاں سے فرار کا راستا بند ہو چکا ہے۔ باہر سے بھی کوئی ہماری مرضی کے بغیر اندر نہیں آ سکتا۔ لہٰذا ہم تم میں کسی ایک کی دولت کیوں حاصل کریں۔ سب کی کیوں نہ حاصل کریں"

"مگر - کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ چلّائے۔
"بالکل سیدھی اور صاف بات ہے - ہم تم لوگوں کو ختم
کرکے یہیں دفن کر دیں گے - اس کھنڈر کے نیچے اور بھی
ان گنت دولت مندوں کی لاشیں موجود ہیں، کیوں کہ اس
قسم کا چکر ہم نے پہلی بار نہیں چلایا - ہمارا منصوبہ ساز
اس قسم کے منصوبے بناتا ہی رہتا ہے، لیکن اس بار کا
منصوبہ ان سب سے بڑا اور مفید ترین تھا - اس کے لیے
ہمیں محنت بھی بہت کرنا پڑی - افریقی ریاست کے
کچھ لوگ ساتھ ملانا پڑے - انھیں بھی بڑا حصّہ ملے گا -
پھر ایسا زہر حاصل کیا گیا جو کچھ دیر کے بعد آدمی کے دل
کی حرکت اس حد تک سست کر دیتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبان
بھی رپورٹ دیتے ہیں کہ حرکت قلب بند ہو چکی ہے، لیکن
دراصل جسم مُردہ نہیں ہوا ہوتا - وہ زندہ ہوتا ہے - پھر
اس کا جسم سیاہ ہو جاتا ہے - لیکن کچھ دیر بعد ان کے
دل کی حرکت پھر اصلی حالت پر آ جاتی ہے - اور سکتے کا
عالم ختم ہو جاتا ہے۔"
"نہیں نہیں - ایسا نہ کہو" ایک دولت مند نے کانپ
کر کہا۔
"سیٹھ صاحب - آپ کی دولت آپ کے لیے موت کا

جدا بن گئی - آپ نے بھی تو اس دولت کو خوب جوڑ جوڑ
کر رکھا تھا۔"
"میرے تمام ٹریولرز چیک لے لیں - لیکن مجھے جان سے
نہ ماریں - اللہ آپ کا بھلا کرے" ایک دولت مند بولا۔
"بھلا تو ہمارا ہو ہی گیا - اتنی بہت سی دولت تو
ہم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہو گی - اس
دولت سے اب ہم دوسرے ممالک میں اپنی جائیدادیں
بنائیں گے - وہاں اعلیٰ درجے کے ہوٹل کھولیں گے اور خوب
عیش کریں گے۔"
"اور - اور ہم" کئی دولت مند بولے۔
"تم سب کے سب اس کھنڈر کے نیچے ہمیشہ کی نیند
سو جاؤ گے۔"
"ن - نہیں۔"
"سات سیاہ فام - جو تم لوگوں کے ارد گرد کھڑے ہیں،
ان ساتوں کے ہاتھوں میں زہر آلود خنجر ہیں - اور یہ لوگ
خنجر پھینکنے کے بہت ماہر ہیں - اتنے ماہر کہ پستول والا
بھی فائر کرکے ان سے بازی نہیں لے جا سکتا - دوسرے
یہ کہ آپ لوگ تو دولت کے نشے میں ڈوبے رہتے
ہیں - آپ کو لڑائی بھڑائی کا کیا تجربہ ہو سکتا ہے -

آپ تو چھوئی موئی کے پھول ثابت ہوں گے ان سیاہ فاموں
کے لیے۔ اب اپنے اپنے چیک نکال کر ادھر رکھ دیں۔ تاکہ
ہم اپنا کام شروع کر سکیں۔"

"کیا کسی شرط پر آپ لوگ ہمیں زندہ نہیں چھوڑ سکتے؟"
ایک دولت مند نے رو کر کہا۔

"نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے
خلاف ایک ثبوت کو زندہ رہنے دیا۔ جب کہ ہم چاہتے
ہیں، اس کھنڈر کی کہانی کھنڈر میں ہی رہ جائے۔ کھنڈر
سے باہر نہ جانے پائے۔"

"اُف مالک۔ یہ ہم کہاں آ پھنسے۔"

"بہت پُر سکون جگہ۔" ایک نقاب پوش بولا۔

"آپ لوگوں نے چیک نہیں نکالے۔" دُوسرا نقاب پوش
غرّایا۔

اور پھر انھوں نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے چیک
نکالنا شروع کیے اور باری باری نقاب پوشوں کے آگے
رکھتے چلے گئے۔

ایک دولت مند نے جو چیک رکھے تو ایک نقاب پوش
چونک اُٹھا:

"ارے۔ یہ کیا۔ یہ۔ یہ کیسے چیک ہیں۔ ہائیں۔ یہ تو

کی بنک کے چیک ہیں۔"

"ج۔ جی ہاں۔" دولت مند ہکلایا۔

"یہ کیا بے وقوفی ہے۔ تم اپنے ملک کے بنک کے
چیک کیوں لے آئے۔"

"ایسے معاملے میں خریداری کا پہلا اتفاق ہے میرا۔
مجھے نہیں معلوم تھا۔"

"یہ بُرا ہوا۔ ہمیں نقصان ہو گیا۔ یہاں کے کسی
نک کا چیک ہم کیش نہیں کرا سکتے۔ پکڑے جائیں گے۔"
ایک نقاب پوش نے کہا۔

"خیر۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔" دُوسرے نقاب پوش
نے فوراً کہا۔

سب دولت مندوں نے اپنے ٹریولرز چیک ڈھیر کر دیے،
کُل دولت مند پندرہ تھے۔

"اب ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔ تاکہ باری باری
تم لوگوں کے جسموں میں زہر آلود خنجر اُتارے جا سکیں۔
دیکھو ہلنے جلنے کی کوشش نہ کرنا۔ ورنہ مشکل پیش آئے گی،
بس پُر سکون انداز میں مر جاؤ۔"

ان کے رنگ اڑ گئے۔ جسموں میں تھرتھری دوڑنے
لگی۔ کئی تو دھڑام سے گر گئے اور اوندھے منہ گر گر کانپنے

"اسے انھوں نے خفیہ طور پر کچھ لالچ دیا ہوگا۔ ساتھ ہی یہ اسے ملا ہی نہیں سکتے تھے۔ اس سے صرف اتنا کام لیا گیا کہ وہ ہمارے سامنے اس ڈھنگ کی عجیب و غریب کہانی بیان کر دے۔"

"اوہ!"

"اور اس نے معاوضہ لے کر وہ کہانی بیان کر دی۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! لالچ آج ہماری رگوں میں اس حد تک سرایت کر گیا ہے کہ حرام اور حلال دونوں کی کوئی تمیز رہ ہی نہیں گئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت افسوس ناک صورتِ حال ہے۔ ہم اپنے ملک کے لیے کیا کریں۔ آخر ہم کیا کر سکتے ہیں۔" فاروق بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے اپنے کردار کو بالکل فٹ کرنا ہوگا۔ تبھی ہم دوسروں کو سنوارنے کا کام کر سکتے ہیں۔ اور اگر ہم صرف دوسروں کی اصلاح کی طرف توجہ دیتے رہے۔ اپنے نقائص دور کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو ہم ایک آدمی کو بھی نہیں سنوار سکیں گے۔"

انسپکٹر جمشید بولے۔

"بہت بہتر۔ ہم اس پہلو کو بہت اہمیت دیں گے۔ ابا جان!" محمود بول اٹھا۔

"اور اب ہمیں گھر بھی جانا ہے۔ وہاں انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل ہماری جانوں کو رو رہے ہوں گے۔ ارے ہاں۔ ابا جان۔ آپ دولت مند تو بہت اچھے [illegible] تھے۔ حیرت ہے۔ ہمیں احساس تک نہیں ہو سکا کہ [illegible] آپ ہیں۔"

"اور وہ لمبی کار کس کی ہے؟" فاروق بولا۔

"ایک اور دوست کی۔ اگر میں خان رحمان کی کار لے آتا تو تم پہچان لیتے اور اس طرح سسپنس نہیں رہتا۔" وہ مسکرائے۔

"جی۔ جی ہاں۔ یہ تو ہے۔ سسپنس تو یوں بھی ہماری زندگیوں میں کچھ اس طرح رچ بس گیا ہے کہ کیا بتائیں۔ نکالے نہیں نکلے گا اب یہ۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"تو ہمیں نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" فاروق مسکرا کر بولا۔

"گویا سسپنس کا اور ہمارا چولی دامن کا ساتھ ہو گیا۔"

فرزانہ نے چہک کر کہا۔

"میں سمجھ گیا۔ اب تم شروع ہو جانے کا پروگرام بنا رہے ہو۔ میں تو چلا۔" انسپکٹر جمشید نے گھبرا کر کہا۔ اور ان کے چہرے کھل اُٹھے۔

سیاہ اموات

کا انعامی سلسلہ

- ناول آپ نے پڑھا، اب فوراً اس پر اپنی رائے لکھیں۔
- سب سے پہلے موصول ہونے والے دو خطوط پر ۵۰، ۵۰ روپے کا نقد انعام روانہ کیا جائے گا۔
- ان کے بعد پہلے موصول ہونے والے آٹھ خطوط پر ادارہ اپنی پسند کی ۵، ۵ کتابوں کے پیکٹ بطور انعام روانہ کرے گا۔
- یہ دس خط آئندہ ماہ کے ناول کے آخر میں اسی ترتیب سے شائع ہوں گے جس ترتیب سے موصول ہوں گے۔
- یہ ضروری نہیں کہ خط ناول کی تعریف میں ہو، ناپسندیدگی کا بھی ہو سکتا ہے۔
- لفافے کے اوپر بریکٹ میں انعامی سلسلہ ضرور لکھیں۔
- یہ خطوط اس پتے پر ارسال کریں:

اشتیاق احمد

ڈی ۶/۸ سیٹلائٹ ٹاؤن، جھنگ صدر